حدود آرڈیننس ۔ حد قذف

(کتاب وسنت کی روشنی میں)

ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی

سابق ڈین ،علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی ، اسلام آباد

قرآن کریم کی رو سے معاشرتی اعتدال اور توازن برقرار رکھنے کے لئے ، معاشرے کی بنیادی اکائی یعنی خاندان کے دونوں اساسی ارکان یعنی مرد اور عورت کے حقوق وفرائض کا اس طرح تعین کیا گیا ہے کہ کسی رکن کو اپنی حق تلفی یا کمتری کا احساس نہ ہو۔ مرد اور عورت کے فرائض اور دائرہ کار الگ الگ ہیں اس لئے ان کے حقوق میں توازن برقرار رکھنے کے لئے قرآن کریم نے مرد کو انتظام میں اور عورت کو احترام میں دوسرے فریق پر برتری دی ہے۔

اسلام نے تحفظ نسب کے لئے جہاں نکاح کا ایک مقدس اور باقاعدہ ادارہ تمام قوانین و ضوابط کے تعین کے ساتھ تشکیل کیا ہے اور معاشرے سے بدکاری ، بے حیائی اور فحاشی کا قلع قمع کرنے کے لئے ایک مکمل ضابطہ اخلاق وقانون مدون کیا ہے ، جس کی خلاف ورزی پر سنگین سزائیں مقرر کی ہیں ، وہیں اس امر کا اہتمام کیا ہے کہ کوئی فرد کسی دوسرے فرد کی عزت وآبرو پر حرف گیری نہ کرے اور کسی کی عصمت و عفت پر زبان طعن دراز نہ کرے۔

احترام انسانیت کے ضوابط کے تحت قرآن حکیم نے غیبت ، چغلی ، طعنہ زنی ، بدگمانی ، تجسس اور طنز واستہزاء کی ممانعت کردی لیکن جو چیز کسی فرد کی عزت وناموس کو آخری حد تک پہنچانے کا باعث ہوسکتی ہے وہ یہ ہے کہ اسے بدکاری میں ملوث بتایا جائے یا اس کی اپنے والد کی طرف نسبت کو نادرست

قرار دیا جائے ۔ چنانچہ عزت وآبرو کے خلاف اس آخری درجے کے جرم پر قرآن حکیم نے آخری درجے کی سزا مقرر کی ہے اور وہ ہے حد قذف۔

حکومت پاکستان نے ۱۰ فروری ۹ <u>۱۹۷</u>ء کو آرڈیننس نمبر ۸ مجریہ ۱۹۷۹ کے تحت جرم قذف (نفاذ حد) کے تحت قذف کے جرم سے متعلق قانون کو اسلامی احکام کے مطابق بنانے کے لئے آرڈیننس جاری کیا ، جو بیس دفعات پر مشتمل ہے۔

دفعہ نمبر ۱ آرڈیننس کے مختصر عنوان ، وسعت اور آغاز پر مشتمل ہے۔

دفعہ نمبر ۲ میں بالغ ، حد تعزیر ، زنا بالجبر کی تعریفات ہیں۔

دفعہ نمبر ۳ میں قذف کی تعریف ، دو تشریحات اور دو استثناء ہیں۔

دفعہ نمبر ۴ میں قذف کی دو اقسام کا بیان ہے۔

دفعہ نمبر ۵ قذف مستوجب حد کو بیان کرتی ہے۔

دفعہ نمبر ۶ میں بتایا گیا ہے کہ قذف مستوجب حد کا ثبوت کیسے ہوسکتا ہے۔

دفعہ نمبر ۷ میں قذف مستوجب حد کی سزا بتائی گئی ہے۔

دفعہ نمبر ۸ میں بتایا گیا ہے کہ استغاثہ کون دائر کرسکتا ہے۔

دفعہ نمبر ۹ میں وہ صورتیں جن میں حد عائد یا نافذ نہیں کی جائے گی۔

دفعہ نمبر ۱۱ سے ۱۳ تک قذف مستوجب تعزیر کا بیان ہے۔

دفعہ نمبر ۱۴ لعان کو بیان کرتی ہے۔

دفعہ نمبر ۱۵ کا تعلق بھی تعزیر سے ہے۔

دفعہ نمبر ۱۶ ۔ ۱۷ میں تعزیرات پاکستان کی ان دفعات کا ذکر ہے جن کا قذف کی تعزیری سزاؤں سے تعلق ہے یا جو حد قذف کے نفاذ کے باعث منسوخ ہوگئی ہیں۔

دفعہ نمبر ۱۸ میں افسر عدالت کے مسلمان ہونے کا بیان ہے۔

دفعہ نمبر ۱۹ میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ آرڈیننس دوسرے قوانین پر غالب رہے گا۔

دفعہ نمبر ۲۰ ان مقدمات کو اس آرڈیننس سے مستثنیٰ قرار دیتی ہے جو اسکے آغاز نفاذ سے قبل کسی عدالت میں زیر سماعت تھے۔

حدود آرڈیننس کا جو حصہ تعزیرات پر مشتمل ہے اسے حدود آرڈیننس سے الگ کرکے تعزیرات پاکستان میں شامل کیا جائے ۔ ان دفعات کا حدود سے کوئی تعلق نہیں ہے اور انہیں حدود

آرڈیننس میں شامل کرنا اور انہیں کتاب وسنت کے قوانین قرار دینا خلاف واقعہ اور افتراء علی اللہ (اللہ پر بہتان) ہے۔ البتہ جن دفعات کا تعلق حد قذف سے ہے وہ بجا طور پر اس امر کی متقاضی ہیں کہ کتاب و سنت کی روشنی میں ان کا جائزہ لیا جائے آیا کہ واقعتاً وہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے ہم آہنگ ہیں؟ اگر نہیں تو ان میں کیا تبدیلی کی جائے تا کہ وہ اسلام کے مخصوص اور غیر مبدل قوانین کے مطابق ہو جائیں۔

اس حوالے سے جب حد قذف آرڈیننس کا مطالعہ کیا گیا تو مندرجہ ذیل دفعات پر کتاب و سنت کی روشنی میں ازسرنو غور کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی:

۱۔ حد قذف کا دائرہ کار (دفعہ ۱)

۲۔ قذف کی تعریف (دفعہ ۳)

۳۔ گواہی اور تزکیہ الشہود (دفعہ ۶)

۴۔ استغاثہ کون دائر کر سکتا ہے؟ (دفعہ ۸)

۵۔ حد زنا میں گواہوں کا چار سے کم رہ جانا (دفعہ ۹)

۶۔ ایسے مقدمات جن میں حد قذف نافذ نہیں کی جا سکتی (دفعہ ۹)

۱۔ حد قذف کا دائرہ کار

حد قذف آرڈیننس کی دفعہ نمبر ۱/۲ کے تحت یہ آرڈیننس پاکستان پر وسعت پذیر ہوگا۔

اس سلسلے میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا غیر مسلم بھی اس آرڈیننس میں شامل ہیں یا نہیں؟ حد زنا آرڈیننس پر بحث کے دوران ہم نے اس سوال پر سیر حاصل بحث کی ہے، البتہ حد قذف اور حد زنا میں ایک بنیادی فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ حد زنا خالصتاً حق اللہ ہے جبکہ حد قذف صرف حق اللہ نہیں بلکہ بندے کا حق بھی اس سے متعلق ہے کیونکہ قذف کی وجہ سے اس شخص کی آبرو پر حرف آتا ہے، اور اسکی بدنامی اور رسوائی ہوتی ہے جسے قذف کیا گیا ہو۔ قذف کے اس پہلو پر فقہاء نے توجہ دی ہے:

حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ قذف میں حق اللہ اور بندے کے حق کا امتزاج ہے البتہ اس میں اللہ کا حق غالب ہے۔ قذف کسی کی عزت پر حملہ کرنے کا جرم ہے اور اس جرم پر سزا دینا مصلحت عامہ کا تقاضا ہے اس میں بندوں کی مصلحت، لوگوں کی عزتوں کی حفاظت اور لوگوں سے فساد دور کرنے کا اہتمام ہے۔ (۲)

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ حد قذف خالصتاً اس بندے کا حق ہے جسے قذف کیا گیا ہے، کیوں کہ قذف کسی کی عزت پر حملہ ہے اور عزت متعلقہ فرد کا ذاتی حق ہے (۳)

اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک اگر قذف کا مقدمہ عدالت میں پہنچ جائے تو مقذوف کو معافی کا اختیار ہے نہ صلح کا اور نہ معاوضہ لینے کا۔ اگر مقذوف مرجائے تو حد ختم نہیں ہوتی۔ شافعیہ کے نزدیک مقذوف کسی بھی مرحلے پر معاف کر سکتا ہے، صلح کر سکتا ہے اور معاوضہ لے کر بھی چھوڑ سکتا ہے۔ اگر کارروائی کے دوران مقذوف مرجائے تو ورثا مقدمہ جاری رکھ سکتے ہیں۔ (۴)

مذکورہ بالا اختلاف میں اس امر پر اتفاق ہے کہ قذف بندے کا حق بھی ہے خواہ خالص بندے کا حق ہو یا اللہ اور بندے دونوں کے حقوق کا امتزاج ہو۔ لیکن جب یہ امر ثابت ہے کہ قذف بندے کا حق بھی ہے تو اس سے غیر مسلموں کا استثناء درست نہیں ہے۔

کسی کی عزت پر جو کوئی حملہ کرے خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم اسے اس کی سزا ملنی چاہیے۔ اس دفعہ کو جب دفعہ ۵ کی تشریح نمبر ا کے ساتھ ملا کر پڑھیں جس میں محصن کی تعریف کی گئی ہے تو ایک کھلا تضاد سامنے آتا ہے، اس پر بحث متعلقہ مقام پر کی جائے گی۔

۲۔ قذف کی تعریف

آرڈیننس کی دفعہ ۳ میں قذف کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

”جو کوئی بھی الفاظ کے ذریعے چاہے وہ بولے گئے ہوں یا جن کا پڑھا جانا مقصود ہو یا علامتوں کے ذریعے یا مرئی تمثیلات کے ذریعے، کسی شخص سے متعلق، اسے ضرر پہنچانے کی نیت سے یا یہ جانتے ہوئے یا یہ باور کرنے کی وجہ رکھتے ہوئے کہ ایسا اقدام مذکورہ شخص کی شہرت کو نقصان پہنچائے گا یا اس کے جذبات کو مجروح کرے گا، زنا کا الزام لگائے یا شائع کرے تو وہ ماسوائے ان صورتوں میں جنہیں بعد ازیں مستثنیٰ قرار دیا گیا قذف کا مرتکب کہلائے گا“۔

اس دفعہ میں دو امور مستثنیٰ کر دیے گئے ہیں:

۱۔ حقیقت پر مبنی اتہام جس کے لگائے جانے یا شائع کیے جانے کا تقاضا مفاد عامہ کرتا ہو:

یہ قذف نہیں ہے کہ کسی شخص پر زنا کی تہمت لگائی جائے، اگر اتہام حقیقت پر مبنی ہو اور مفاد عامہ میں لگایا جائے یا شائع کیا جائے۔ یہ امر متعلقہ واقعات ہے کہ آیا یہ مفاد عامہ میں ہے یا نہیں۔

۲۔ مجاز شخص کے سامنے نیک نیتی سے عائد کیا گیا الزام ماسوائے ان صورتوں کے جو بعد ازیں مذکور ہیں یہ

قذف نہیں ہے کہ کسی شخص کے خلاف ایسے اشخاص میں سے کسی ایک کے سامنے جو اس شخص پر الزام کے موضوع کے نسبت اختیار مجاز کے حامل ہوں نیک نیتی سے زنا کا الزام عائد کیا جائے"(۵)

قذف کی مذکورہ بالا تعریف کا جائزہ

قذف کی تعریف تمام فقہا کے نزدیک یہ ہے:

"کسی پاک دامن پر زنا کی تہمت لگانا یا اس کے نسب کا انکار کرنا"(۶)

دونوں تعریفوں میں فرق

فقہاء کی تعریف کی رو سے کوئی بھی شخص کسی پاک دامن فرد پر زنا کا الزام عائد کرتا ہے یا اس کے معلوم نسب کا انکار کرتا ہے تو وہ قذف کا مرتکب ہے، خواہ وہ نیک نیتی سے ایسا کرے، اپنی تحقیق کی بنا پر، اپنے علم کے مطابق، دوستی، محبت اور پیار میں یا کسی بھی طریقے سے ایسے الفاظ ادا کرنا قذف ہے جبکہ آرڈیننس کے الفاظ "اسے ضرر پہنچانے کے نیت سے یا یہ جانتے یا باور کرنے کی وجہ رکھتے ہوئے کہ ایسا اقدام مذکورہ شخص کی شہرت کو نقصان پہنچائے گا یا اس کے جذبات کو مجروح کرے گا" نے ایک ایسی شاہراہ کھول دی ہے کہ کوئی بھی شخص کسی کو قذف کر کے یہ کہہ سکتا ہے کہ:

"میری نیت یہ نہیں تھی کہ اسے ضرر پہنچے یا اس کی شہرت داغ دار ہو یا جذبات مجروح ہوں بلکہ میں نے نیک نیتی سے یا ہنسی مذاق میں یا محبت میں ایسا کہہ دیا" تو آرڈیننس کی رو سے یہ قذف نہیں ہوگا، کیونکہ اس دھرتی پر ایسا کوئی ذریعہ نہیں ہے، جس سے یہ معلوم کیا جائے کہ کسی شخص کی نیت کیا تھی؟

جہاں تک نیت کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں اسلامی شریعت کا اصول یہ ہے کہ:

کوئی گناہ حسن نیت سے معصیت کے دائرے سے خارج نہیں ہو جاتا۔ کسی بھی رشوت خور، بددیانت اور سمگلر کے گھر ڈاکہ ڈال کر اس کی دولت غرباء میں تقسیم کرنے سے ڈاکے کا جرم معاف نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ قرآن حکیم نے قذف کی سزا بیان کرتے ہوئے فرمایا:

والذین یرمون المحصنات ثم لم یا تو ا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانین جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة ابدا اولئک هم الفاسقون۔(۷)

"جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں، پھر چار گواہ نہیں لاتے تو انہیں اسی (۸۰) کوڑے مارو اور کبھی بھی ان کی گواہی قبول نہ کرو، یہ لوگ فاسق ہیں۔"

اس آیت میں دو ہی شرائط مذکور ہیں:

۱۔ جس عورت پر تہمت لگائی گئی ہو وہ محصنہ ہو۔

۲۔ تہمت لگانے والا چار گواہ نہ پیش کر سکے۔

قرآن، سنت اور فقہ اسلامی میں سے کسی نے بھی "نیت" کی شرط عائد نہیں کی۔ اس لئے یہ شرط کتاب و سنت کے خلاف ہے۔

اسی دفعہ کے پہلے استثناء میں ہے:

"یہ قذف نہیں ہے کہ کسی شخص پر زنا کی تہمت لگائی جائے، اگر اتہام حقیقت پر مبنی ہو اور مفاد عامہ میں لگایا جائے یا شائع کیا جائے۔ یہ امر متعلقہ واقعات ہے کہ آیا یہ مفاد عامہ میں ہے یا نہیں"۔

یہ استثناء انتہائی مبہم ہے، غالباً قانون ساز افراد اس صورت کو مستثنیٰ قرار دینا چاہتے تھے کہ "اگر عدالت کے فیصلے میں کسی کے خلاف زنا کا جرم ثابت ہو گیا تو اس کا اظہار یا اشاعت اگر مفاد عامہ میں ہو تو قذف نہیں" لیکن اس سیدھے سادے بیان کو چھوڑ کر ایسی الجھی ہوئی عبارت تحریر کی گئی ہے جس میں مندرجہ ذیل امور نے ابہام پیدا کر دیا ہے:

۱۔ کسی شخص پر زنا کی تہمت لگائی جائے: درحقیقت صرف اس صورت میں زنا کی تہمت قذف نہیں قرار پائے گی جبکہ کسی شخص پر زنا عدالت میں ثابت ہو گیا ہو، اس کے علاوہ قرآن کی رو سے ہر تہمت قذف ہے، لہٰذا جب تک یہ تہمت ہے اسے کسی طرح قذف سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔

۲۔ اتہام حقیقت پر مبنی ہو: آرڈیننس کے الفاظ یہ نہیں بتاتے کہ اس امر کا تعین کیسے ہوگا اور کون کرے گا کہ اتہام حقیقت پر مبنی ہے کہ نہیں؟

۳۔ اتہام مفاد عامہ میں لگایا جائے یا شائع کیا جائے: ان الفاظ کے ذریعے میڈیا اور پریس کے ذریعے جن بے گناہ افراد پر اتہام لگایا جاتا ہے ان کو قانونی چارہ جوئی کے حق سے محروم کر دیا گیا ہے، کیوں کہ دنیا بھر میں میڈیا کا اس امر پر اصرار ہے کہ وہ جو کچھ بھی شائع یا نشر کرتا ہے وہ مفاد عامہ میں کرتا ہے جبکہ قذف اگر حقیقت پر مبنی ہو تب بھی اس کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشة فی الذین آمنوا لهم عذاب الیم فی الدنیا والاخرة.(۸)

"جو لوگ اہل ایمان میں بے حیائی کی نشر و اشاعت پسند کرتے ہیں ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے"

نیز ارشاد نبوی ﷺ ہے:

المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده ـ (۹)

مسلمان وہی ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔

نیز فرمایا:

من ستر مسلما ستره الله فى الدنيا والاخرة ـ (۱۰)

جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا۔

ابوداؤد میں ہے کہ ماعز اسلمی نے ھزال کے کہنے پر آ کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے اعتراف زنا کیا۔

آپ نے ھزال سے فرمایا:

لو سترته بثوبك لكان خيرا لك ـ (۱۱)

اگر تو اس پر اپنا کپڑا ڈال کر اس کی پردہ پوشی کر لیتا تو تیرے لئے بہتر تھا۔

اس دفعہ میں صرف یہ استثناء ہو سکتا ہے کہ:

"اگر عدالت کے فیصلے کے مطابق کسی شخص کا جرم زنا ثابت ہو جائے تو مفاد عامہ کے تحت اس کا اظہار یا اشاعت قذف نہیں ہوگا"

کیوں کہ یہ عدالتی فیصلے کا اظہار ہے اپنی طرف سے اتہام نہیں ہے۔

اس دفعہ کا دوسرا استثناء یہ ہے کہ مجاز شخص کے سامنے نیک نیتی سے عائد کیا گیا الزام قذف نہیں ہے۔

درحقیقت یہ استثناء مزید ابہام پیدا کرنے کا موجب ہے۔ غالباً قانون ساز افراد یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ:

"اگر کوئی شخص عدالت مجاز کے سامنے کسی شخص پر الزام عائد کرتا ہے تو وہ قذف نہیں ہے"

لیکن اس سیدھی سادی بات کو ایسے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ جن سے مفہوم کچھ کا کچھ ہو گیا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ حدود کے مقدمات میں کوئی شخص مجاز نہیں ہوتا بلکہ صرف عدالت مجاز ہوتی ہے نیز الزام کا تعلق نیک نیتی یا بدنیتی سے نہیں ہے بلکہ اس امر سے ہے کہ الزام عائد کرنے والا چار سچے گواہ پیش کر سکتا ہے یا نہیں، نیز گواہی دینے والوں کی تعداد چار ہونا ضروری ہے اور وہ چاروں قابل اعتماد ہوں۔ اگر گواہوں کی تعداد چار سے کم ہو یا چاروں قابل اعتماد نہ ہوں تو الزام خواہ نیک نیتی سے لگایا گیا ہو اور مجاز اتھارٹی کے سامنے لگایا گیا ہو حد قذف جاری ہو جائے گی۔ صرف میاں بیوی کا الزام اس سے مستثنیٰ ہے:

مدینہ منورہ میں سب سے بڑی مجاز شخصیت رسول اللہ ﷺ کی تھی۔ بخاری، ابوداؤد و مسند احمد میں ابن عباس کی روایت ہے کہ ھلال بن امیہ نے اپنی بیوی کو شریک بن سحماء کے ساتھ ملوث اپنی آنکھوں سے دیکھا اور معاملہ رسول اللہ ﷺ کی عدالت میں پیش کیا، آپ نے فرمایا:

البينة او حد فى ظهرك ـ (۱۲)

ثبوت لاؤ ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد قذف کے کوڑے برسیں گے۔

ھلال نے کہا، اس خدا کی قسم جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، میں بالکل سچ واقعہ عرض کر رہا ہوں جسے میری آنکھوں نے دیکھا اور کانوں نے سنا ہے، مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے معاملے میں ایسا حکم نازل فرمائے گا جو میری پیٹھ بچائے گا، اس پر آیت لعان نازل ہوئی، جس میں میاں بیوی میں تصفیہ کا طریقہ واضح کیا گیا۔

نیز اس استثناء کی رو سے عدالت کے سامنے اگر چار سے کم تعداد میں افراد کسی کے خلاف ارتکاب زنا کی گواہی دیں یا چار افراد گواہی دیں لیکن ان میں سے بعض قابل اعتماد نہ ہوں تو گواہوں پر حد قذف جاری نہیں ہوگی، جبکہ یہ قانون درست نہیں ہے۔

اگر گواہوں کی تعداد چار سے کم ہو تو امت کا اجماع ہے کہ ان سب پر حد قذف جاری ہوگی جس کی تفصیل حد زنا کے ذیل سے گزر چکی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مغیرہ بن شعبہ کے خلاف گواہی دینے والے تین افراد ابوبکرہ، نافع اور شبل پر حد قذف جاری کر دی تھی۔

اگر ان میں سے بعض گواہ ناقابل اعتماد ہوں تو امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک قذف کرنے والا اور اس کے گواہ سب حد کے مستحق ہوں گے، البتہ حنفیہ کے نزدیک اگر گواہ فاسق ہوں تو ان کی گواہی تو قبول نہیں ہوگی لیکن قذف کرنے والا حد قذف سے بچ جائے گا۔ بہر حال یہ استثناء اسلامی تعلیمات کی رو سے غلط ہے، اسے تبدیل کر دیا جائے۔

حد قذف میں محصن کی تعریف

قذف کی آرڈیننس کی دفعہ ۵ قذف مستوجب حد کے زیر عنوان مندرجہ ذیل اندراج ہے:

"جو کوئی بھی بالغ ہوتے ہوئے، قصداً اور بلا ابہام کسی خاص شخص کے خلاف جو محصن ہو اور جماع کرنے پر قادر ہو، قذف زنا مستوجب حد کا ارتکاب کرے تو وہ اس آرڈیننس کے احکام کے تابع قذف مستوجب حد کا مرتکب کہلائے گا"۔

اس دفعہ کی تشریح نمبر ا میں محصن کی تعریف یوں کی گئی ہے:

''اس دفعہ میں محصن سے کوئی ایسا عاقل و بالغ مسلمان مراد ہے جس نے یا تو جماع کیا ہی نہ ہو یا صرف اپنے یا اپنی جائز طور پر منکوحہ خاوند یا زوجہ سے کیا ہو''

حد قذف آرڈیننس کی دفعہ ۱، ۲ کو دفعہ ۵ کی مذکورہ بالا تشریح کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو ایک کھلا تضاد سامنے آتا ہے۔ دفعہ ۱ (۲) کے تحت یہ پورے پاکستان پر نافذ ہوتا ہے جبکہ دفعہ ۶ کی تشریح نمبر ۱ کے تحت اس کا نفاذ صرف اس صورت میں ہوگا جبکہ کسی محصن کو قذف کیا جائے اور محصن سے مراد ایسا عاقل بالغ مسلمان ہے جس نے یا تو جماع کیا ہی نہ ہو یا اپنے جائز شوہر یا بیوی سے جماع کیا ہو۔

گویا اس تشریح کی رو سے:

۱۔ غیر مسلم مرد یا عورت محصن / محصنہ نہیں ہیں اور انہیں قذف کرنے پر حد نہیں ہے۔

۲۔ نابالغ اور غیر عاقل کو قذف کرنے پر حد نہیں ہے۔

قرآن حکیم میں حد قذف ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

والذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا باربعة شهداء فاجلدو هم ثمانین جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة ابدا واولئک هم الفاسقون۔ (۱۳)

''جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں، پھر چار گواہ نہیں لاتے تو انہیں اسّی (۸۰) کوڑے مارو اور کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو، یہ لوگ فاسق ہیں''۔

اس آیت میں:

۱۔ اصل سزا ان افراد کے لئے ہے جو محصنات (پاک دامن خواتین) پر الزام لگاتے ہیں۔ مردوں کا اس میں ذکر نہیں ہے۔ مردوں کو دوسرے دلائل کے تحت اس حکم میں شامل کیا گیا ہے۔

۲۔ محصنات کا لفظ استعمال ہوا ہے، جس کا اطلاق قرآن حکیم میں مندرجہ ذیل خواتین پر ہوا ہے:

۱۔ آزاد عورت: سورۃ النساء ۴: ۲۵ میں محصنات سے آزاد عورتیں مراد ہیں۔

ومن لم یستطع منکم طولا ان ینکح المحصنات المومنات فمن ما ملکت ایمانکم۔

''جو کوئی تم میں سے آزاد ایمان والی خواتین سے نکاح کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو باندیوں سے نکاح کرلے''

۲۔ پاک دامن عورتیں: خواہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم: سورۃ المائدہ ۵: ۵ میں بتایا گیا ہے کہ اہل ایمان کی پاک دامن عورتوں اور اہل کتاب کی پاک دامن عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔

والمحصنات من المومنات والمحصنات من الذین اوتو الکتاب من قبلکم اذا اتیتموهن اجورهن۔

''اہل ایمان کی پاک دامن عورتیں اور ان لوگوں کی پاک دامن عورتیں جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی (تمہارے لئے حلال ہیں) جبکہ ان کے مہر ادا کردو''

۳۔ شادی شدہ عورت: سورۃ النساء ۴: ۲۴ میں محصنات سے شادی شدہ عورت مراد ہے۔

والمحصنات من النساء۔

''شادی شدہ عورتوں سے نکاح حرام ہے''

سورۃ النور ۲۴: ۴ میں المحصنات کا لفظ عام ہے اس میں اسلام کی شرط کا اضافہ کرنا اصول فقہ کے مسلمہ قواعد کی رو سے درست نہیں جبکہ قرآن حکیم اہل کتاب کی پاک دامن خواتین کے لیے بھی محصنات کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ لہٰذا اس عام لفظ کا یہ تقاضا ہے کہ اس میں ہر پاک دامن خاتون، خواہ وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، مسلمان ہو یا غیر مسلم شامل ہے اگر اس سے صرف مسلمان خواتین مراد ہوتیں تو قرآن حکیم اس کے ساتھ المومنات کا اضافہ کرتا جیسا کہ اس نے سورۃ النور کی آیت ۲۳ میں کیا ہے۔

پاک دامن غیر مسلم خواتین کے ناموس کے تحفظ کو اسلامی قوانین حدود میں کم تر قرار دینے کے بعض خوفناک نتائج بھی سامنے آتے ہیں اور وہ یہ کہ اسلام نے اہل کتاب کی پاک دامن خواتین سے نکاح کی اجازت دی ہے۔ جس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کئی ایک صحابہ کرام نے اہل کتاب کی خواتین سے نکاح کئے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نائلہ بنت الفرافصہ الکلبیہ سے نکاح کیا تو وہ عیسائی تھیں، بعد میں مسلمان ہوگئیں۔ حضرت حذیفہ نے مدائن میں ایک یہودی خاتون سے نکاح کیا۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہودی یا عیسائی خاتون سے نکاح کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ہم لوگوں نے جب سعد بن ابی وقاص کی قیادت میں کوفہ فتح کیا تو اہل کتاب کی عورتوں سے شادیاں کیں۔ (۱۴)

اگر مسلمان اور صحابہ کرام کے نکاح میں آنے والی غیر مسلم خواتین کے ناموس کو اسلامی قانون تحفظ نہیں دے گا تو کیا ان خواتین کے بچوں کو اگر ان کی والدہ کے حوالے سے قذف کیا جائے تو اسلامی قانون حدود تماشائی بنا رہے گا؟ جس قانون میں صحابہ کرام کی پاک دامن غیر مسلم بیویاں اور ان کی اولاد قذف سے محفوظ نہ ہو ــــ اسے اسلامی قوانین حدود کہنا کہاں کا اسلام ہے؟

اس قانون کی رو سے اگر کسی نابالغ لڑکی کو قذف کیا جائے تو قذف کرنے والا اس پاک دامن لڑکی کی ساری زندگی اور اس کے مستقبل کو تباہ کرنے کے باوجود حد قذف سے بچ جائے گا کیونکہ وہ لڑکی بالغ نہ ہونے کے باعث محصنہ نہیں ہوئی۔

اس ساری قانون سازی میں جو بنیادی خرابی ہے وہ یہ ہے کہ اسلام نے قانون معاشرے میں برائی کی تشہیر کرنے اور لوگوں کی عزت وناموس پر حرف گیری کرنے والوں کو سزا دینے کے لیے بنایا تھا اسے ان کے تحفظ کے لیے استعمال کیا جارہا ہے۔ قانون کے نفاذ میں دراصل مجرم کی حالت دیکھی جاتی ہے کہ وہ عاقل وبالغ اور مکلف ہو نہ یہ کہ اس فرد کی حالت دیکھی جائے جس کو قذف کیا گیا ہے۔ کیا کسی نابالغ کو قتل کرنا یا اس کا مال چھیننا یا چوری کرنا بالغ کو قتل کرنے یا اس کے مال پر ڈاکہ ڈالنے اور چوری کرنے سے کمتر جرم ہے۔ جرائم میں مجرم کی حالت دیکھی جاتی ہے۔ البتہ حد قذف میں قرآن حکیم نے اس فرد کے لیے جسے قذف کیا گیا ہو ایک ہی شرط عائد کی ہے اور وہی ایک شرط قانون کی نگاہ میں ضروری اور معقول ہے اور وہ یہ کہ جس شخص کو قذف کیا گیا ہو وہ پاک دامن ہو۔ اگر اسے عدالت نے بدکاری کا مجرم قرار دیا ہو تو اس کا اظہار قذف نہیں ہے۔ باقی شرائط مجرموں کو تحفظ فراہم کرنے اور پاک دامن افراد کی عزت وناموس کو عدم تحفظ کا شکار کرنے کا ذریعہ ہیں جو کتاب اللہ سے ہم آہنگ ہیں نہ عدل ودانش کے مطابق۔ یہ دفعہ نہ صرف کتاب وسنت سے بلکہ قانون سازی کے بنیادی تقاضوں سے بھی متصادم ہے اس لیے اسے تبدیل کردیا جائے۔

گواہی اور تزکیۃ الشہود

حدود آرڈیننس میں زنا اور قذف مستوجب حد کے ثبوت کے ذرائع میں گواہی کے بیان میں یہ ہے کہ: زنا میں چار بالغ مسلمان مرد گواہ (دفعہ ۸، ب) اور قذف میں دو بالغ مسلمان مرد گواہ (دفعہ ۶، ج) ہوں، جن کے بارے میں عدالت کو تزکیۃ الشہود کے مقتضیات کا لحاظ رکھتے ہوئے اطمینان ہو کہ وہ عادل اشخاص ہیں اور کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرتے ہیں۔ بلاواسطہ اور چشم دید گواہ ہوں۔

اگر ملزم غیر مسلم ہو تو گواہ غیر مسلم ہو سکتے ہیں۔

نیز دفعہ ۷ (۲) میں ہے: کوئی شخص قذف مستوجب حد جرم کے لیے سزایاب ہو چکا ہو اس کی گواہی کسی عدالت میں قابل سماعت نہیں ہوگی۔

ان دفعات پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں ان کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ گواہی کے لیے مسلمان اور مرد کی شرط عائد کرنا آئین کے آرٹیکل ۲۵ کے خلاف ہے، جس میں پاکستان کے تمام شہریوں کو برابر حقوق کی ضمانت دی گئی ہے۔

۲۔ تزکیۃ الشہود کے بارے میں جو شرائط ہیں کہ گواہ عادل ہوں اور کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرنے والے ہوں۔

ان شرائط پر پورے اترنے والے گواہ ہمارے سماجی اور معاشی تمدن میں دستیاب ہونے بہت مشکل ہیں۔

۳۔ جس شخص کو ایک بار قذف میں حد کی سزا ہو گئی ہو اسے یہ اطمینان ہو جاتا ہے کہ اس کی گواہی کسی عدالت میں تو قبول نہیں ہوگی۔ لہٰذا وہ اپنے الزامات کے لیے کسی عدالت میں جوابدہ نہیں ہوگا۔ اور اسے سزا نہیں مل سکے گی۔ ایسے اشخاص کو بآسانی جرائم کے مخبر کے طور پر کسی کے خلاف یا وہ گوئی کے لیے استعمال کیا جا سکے گا۔

اب ہم کتاب وسنت کی روشنی میں ان دفعات اور اعتراضات کا جائزہ لیتے ہیں۔

۱۔ گواہی کے لئے مسلمان کی شرط

غیر مسلموں کی ایک دوسرے کے بارے میں گواہی کو آرڈیننس نے درست قرار دیا ہے البتہ آرڈیننس کی رو سے غیر مسلم کی گواہی کسی مسلمان کے خلاف قبول نہیں ہوگی۔

اس کی دلیل میں مندرجہ ذیل آیات پیش کی جاتی ہیں:

واستشهدوا شهيدين من رجالكم ۔(۱۵)

''اپنے مردوں میں سے دو گواہ بنالو''

واشهدوا ذوى عدل منكم ۔(۱۶)

''اپنے میں سے دو عادل گواہ بنالو''

ان آیات کی بناء پر یہ رائے اختیار کی گئی کہ غیر مسلم کی گواہی مسلمانوں کے بارے میں قابل قبول نہیں، البتہ قرآن حکیم نے ایک موقع پر غیر مسلموں کی مسلمانوں کے خلاف گواہی کو قبول کرتے ہوئے کہا ہے:

يايها الذين امنوا شهادة بينكم اذا حضر احدكم الموت حين الوصية اثنن ذوا عدل منكم اواخران من غيركم ان انتم ضربتم فى الارض فاصابتكم مصيبة الموت تحبسونهما من بعد الصلوة فيقسمن بالله ان ارتبتم لا نشترى به ثمنا ولو كان ذا

قربی ولا نکتم شهادة الله انا اذا لمن الاثمين ۔ فان عثر علی انهما استحقا اثما فاٰخرن يقومن مقامهما من الذين استحق عليهم الاوليٰن فيقسمن بالله لشهدتنا احق من شهادتهما وما اعتدينا انا اذا لمن الظٰلمين ۔ ذالک ادنیٰ ان ياتوا بالشهادة علیٰ

وجهها او يخافوا ان ترد ايمان بعد ايمانهم۔ (۱۷)

"اے ایمان والو، جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ جائے اور وہ وصیت کر رہا ہو تو اس کے لئے شہادت کا نصاب یہ ہے کہ تم میں سے دو صاحب عدل آدمی گواہ بنائے جائیں یا اگر تم سفر میں ہو اور وہاں موت کی مصیبت پیش آ جائے تو غیر مسلموں سے دو گواہ لے لئے جائیں۔ پھر اگر کوئی شک پڑ جائے تو نماز کے بعد دونوں گواہوں کو روک لیا جائے اور وہ دونوں خدا کی قسم کھا کر کہیں ہم کسی ذاتی فائدے کے لئے شہادت بیچنے والے نہیں ہیں، خواہ کوئی ہمارا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو اور نہ خدا واسطے کی گواہی کو ہم چھپاتے ہیں اگر ہم نے ایسا کیا تو گناہگاروں میں شمار ہوں گے، لیکن اگر پتا چل جائے کہ ان دونوں نے اپنے آپ کو گناہ میں مبتلا کیا ہے تو پھر ان کی جگہ وہ دو شخص جو ان کی بہ نسبت شہادت دینے کے اہل تر ہوں۔ ان لوگوں میں سے کھڑے ہوں جن کی حق تلفی ہوئی ہے اور وہ خدا کی قسم کھا کر کہیں کہ "ہماری گواہی ان کی گواہی سے زیادہ برحق ہے اور ہم نے اپنی گواہی میں کوئی زیادتی نہیں کی ہے۔ اگر ہم ایسا کریں تو ظالموں میں سے ہوں گے۔ اس طریقے سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ لوگ ٹھیک ٹھیک گواہی دیں گے یا کم از کم اس بات کا خوف کریں گے کہ ان کی قسموں کے بعد دوسری قسموں سے کہیں ان کی تردید نہ ہو جائے"۔

ان آیات سے فقہاء نے یہ استدلال کیا ہے کہ سفر کے دوران، وصیت کے معاملات میں اگر مسلمان دستیاب نہ ہوں تو غیر مسلموں کو گواہ بنایا جا سکتا ہے۔

اگر ان آیات پر گہری نظر ڈالی جائے تو مندرجہ ذیل امور سامنے آتے ہیں:

۱۔ اللہ کا اس قانون سے مقصد یہ ہے کہ عدل قائم ہو اور کسی فرد کی حق تلفی نہ ہو۔ کسی شخص کے ساتھ زیادتی نہ ہو اور تمام حقائق صحیح طور پر سامنے آئیں۔

۲۔ اگر مسلمان موجود ہوں اور گواہ بنانے کا مرحلہ ہو نہ یہ کہ خود بخود ہنگامی حالات میں گواہ بن جائے کا تو مسلمانوں کو چاہیے کہ مسلمانوں کو گواہ بنایا کریں۔

۳۔ اگر ضرورت ہو تو غیر مسلموں کو گواہ بنایا جا سکتا ہے۔

۴۔ گواہی کو محض ایک رسمی چیز نہ قرار دیا جائے بلکہ اس سے اصل مقصد عدل کا قیام اور اہل حقوق کو ان کے حقوق ادا کرنے کو پیش نظر رکھا جائے۔ اس لیے گواہوں کے بارے میں تحقیق کر لی جائے کہ کیا وہ سچے

ہیں۔ اگر جھوٹے نکلیں تو ان کے خلاف ضابطہ کارروائی کی جائے۔

اگرچہ فقہاء نے اس حکم کو سفر کے ساتھ مختص کیا ہے اور ایسے حالات سے مقید کیا ہے جن میں کوئی مسلمان گواہ دستیاب نہ ہو لیکن قرآن حکیم میں یہ شرائط مذکور نہیں ہیں بلکہ قرآن کی ایک دوسری آیت غیر مسلموں کے حوالے سے قرآن کے مقصد شہادت پر مزید روشنی ڈالتی ہے:

ومن اهل الكتاب من ان تامنه بقنطار يؤده اليک ومنهم من ان تامنه بدينار لا يؤده اليک الا ما دمت عليه قائما۔ (۱۸)

اہل کتاب میں سے کوئی تو ایسا ہے کہ اگر تم اس پر اعتبار کر کے مال و دولت کا ڈھیر بھی دے دو تو وہ تمہارا مال تمہیں ادا کر دے گا اور کوئی ایسا ہے کہ اگر تم ایک دینار کے معاملے میں بھی اس پر بھروسہ کرو تو وہ ادا نہیں کرے گا الا یہ کہ تم اس کے سر پر سوار ہو جاؤ۔

ان آیات کو ملانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت اختلاف دین کسی کے سچے یا جھوٹے ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ اصل میں یہ عدالتوں کا کام ہے کہ وہ اپنا نظام شہادت اس انداز سے مرتب کریں کہ حقائق سامنے آ سکیں، کسی کو جھوٹ بولنے کی جرأت نہ ہو اور عدل کا قیام عمل میں آئے۔

تزکیۃ الشہود کے بارے میں جو شرائط اس دفعہ میں رکھی گئی ہیں، ان کے مطابق گواہوں کی دستیابی دور حاضر میں ایک مشکل امر ہے، جو شرائط کسی دور میں فقہاء نے اس حوالے سے مرتب کیں تھیں کہ ان کو ملحوظ رکھ کر حقائق کا علم اور عدل کا قیام آسان ہو سکتا ہے۔ ان کو لفظ بلفظ نقل کر دینے کے بجائے یہ دیکھنا چاہیے کہ گواہی کا معیار جانچنے سے کتاب و سنت کا مقصد کیا ہے۔

قرآن حکیم میں جابجا قیام عدل کی تلقین کرتا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

يا ايها الذين امنوا كونوا قوامين بالقسط شهداء لله ولو علیٰ انفسكم او الوالدين والاقربين ان يكن غنيا او فقيرا فالله اولیٰ بهما فلا تتبعوا الهوىٰ ان تعدلوا۔ (۱۹)

اے ایمان والو، انصاف کے علمبردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو، اگرچہ تمہارے خلاف انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ فریق معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب، اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے۔ لہٰذا اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو۔

نیز فرمایا:

یا ایھا الذین امنوا کونوا قومین شھدآء للہ بالقسط ولا یجرمنکم شنان قوم علی الا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی۔(۴۰)

اے ایمان والو، اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو، کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ تم انصاف سے پھر جاؤ، عدل کرو یہی خدا ترسی کے قریب تر ہے۔

جہاں تک کسی فاسق شخص کی گواہی قبول کرنے یا نہ کرنے کا معاملہ ہے تو قرآن حکیم نے صرف ایسے شخص کی گواہی ہمیشہ کے لئے رد کردی ہے جس نے کسی پر زنا کی تہمت لگائی، اس پر چار گواہ پیش نہیں کر سکا اور اسے قذف میں سزا ہو گئی، اس کے علاوہ جو فاسق افراد ہیں ان کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

یاایھا الذین امنوا ان جاءکم فاسق بنباء فتبینوا ان تصیبوا قوما بجھالۃ فتصبحوا علی ما فعلتم ندمین۔(۴۱)

اے ایمان والو، اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانستہ نقصان پہنچا دو اور پھر اپنے کیے پر پشیمان ہو۔

علامہ ابن القیم نے الطرق الحکمیہ میں اس مسئلہ پر تفصیل سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ اگر لوگوں کی اکثریت فاسق ہو تو ان کی ایک دوسرے سے متعلق گواہی قبول کی جائے گی اور ان میں سے جو نسبتاً بہتر ہوں ان کی گواہی پر فیصلہ کیا جائے گا، یہی امر درست ہے جس پر عمل کیا جاتا ہے۔ اگرچہ فقہاء کی اکثریت زبانی کلامی اس کے خلاف گفتگو کرتی ہے لیکن سب کا عمل اسی کے مطابق ہے۔ اگر غالب گمان یہ ہو کہ فاسق سچ بولتا ہے تو اس کی گواہی قبول کر لی جائے۔ ضروری نہیں کہ جو شخص فاسق ہو وہ لازماً دروغ گو بھی ہو۔ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ فاسق سچ کہتا ہے اور اس کا فسق کسی اور نوعیت کا ہے تو اس کی گواہی رد کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مشرک کو جس کی صداقت و دیانت پر آپ کو اعتماد تھا سفر ہجرت میں اپنا رہنما بنا کر اپنی سواری اس کے سپرد کر دی اور اسکی رہنمائی میں سفر طے کیا۔(۴۲)

حیرت کی بات ہے کہ مال کے تحفظ کے لئے غیر مسلموں کی گواہی قابل قبول ہے (المائدہ:۵:۱۰۶۔۱۰۸) لیکن عزت کے تحفظ کے لئے غیر مسلم کی گواہی رد کر دی جائے حالانکہ عزت کا تحفظ مال کے تحفظ سے زیادہ اہم ہے۔

عورت کی گواہی

جہاں تک عورت کی گواہی کا تعلق ہے تو وفاقی شرعی عدالت کے فیصلہ رشیدہ پٹیل بنام

فیڈریشن آف پاکستان، F.S.CP. 128, P.L.D1989 میں یہ صراحت ہے کہ:

''بہر حال ہمارے نزدیک مخصوص حالات میں خواتین کی گواہی حدود و قصاص سب معاملات میں لی جا سکتی ہے''۔(۴۳)

کتاب و سنت میں کوئی ایسی تصریح نہیں ہے جس سے یہ ثابت کیا جائے کہ کسی معاملے میں عورتوں کی گواہی قابل قبول نہیں ہے۔

رہی فیڈرل شریعت کورٹ کی یہ بات کہ عورتوں کی گواہی تو قابل قبول ہو گی لیکن اس پر حد جاری نہیں ہو گی، ایک ایسی رائے ہے جس کی تائید قرآن، حدیث اور قانون دانش کسی چیز سے نہیں ہوتی۔

رہا اس پر یہ اعتراض کہ اگر حد قذف کے سزا یافتہ افراد کی گواہی نا قابل قبول قرار دی جائے تو انہیں کھلی چھٹی مل جائے گی کہ وہ جب اور جس پر چاہیں کیچڑ اچھالیں گے اور مخبروں کا پیشہ اختیار کر لیں گے، تو یہ اعتراض درست نہیں کیوں کہ قرآن حکیم نے سزا یافتہ افراد کو گواہی کی قبولیت کے اعزاز سے محروم کیا ہے، سزا کی اہلیت سے نہیں۔ اگر ایسا شخص دوبارہ قذف کا یا کوئی اور جرم کرے گا تو کسی دلیل کی رو سے سزا سے بچ نہیں سکے گا بلکہ شریعت کے عام اصول کے تحت عادی مجرم ہونے کے باعث زیادہ سزا کا مستحق ہو گا۔

کتاب و سنت میں ایسی کوئی نظیر نہیں ہے کہ جس مجرم کو ایک بار سزا ہو جائے اسے آئندہ کے لئے کھلی چھٹی مل جاتی ہے۔

استغاثہ کون دائر کر سکتا ہے؟

آرڈیننس کی دفعہ ۸ میں یہ بتایا گیا ہے کہ استغاثہ کون دائر کر سکتا ہے؟

اس دفعہ کے تحت اس آرڈیننس کے تحت کوئی کاروائی شروع نہیں کی جائے گی سوائے اس کے کہ حسب ذیل کی طرف سے پولیس کو کی گئی رپورٹ پر یا کسی عدالت میں دائر شدہ استغاثہ پر ایسا کیا جائے یعنی:

الف۔ اگر وہ شخص جس کی نسبت قذف کا ارتکاب کیا گیا ہو، زندہ ہو تو مذکورہ شخص یا اس کی طرف سے مجاز کردہ کوئی شخص، یا

ب۔ اگر وہ شخص جس کی نسبت قذف کا ارتکاب کیا گیا ہو فوت ہو چکا ہو تو اس کے اجداد یا اولاد میں سے کوئی۔

اس دفعہ کے تحت یہ ضروری ہے کہ جس کے خلاف قذف کا ارتکاب کیا گیا ہو، وہ یا اس کے فوت ہونے کی صورت میں اس کا کوئی جائز وارث اس کی طرف سے دعویٰ دائر کرے۔

جبکہ اسلامی نقطہ نظر سے اگر قذف کا ارتکاب عدالت سے باہر کیا گیا ہو تو اس کے لیے مقذوف کو عدالت سے رجوع کرنا ہوگا، لیکن عدالت میں کسی شخص کے خلاف زنا کے الزام میں مطلوبہ اہلیت کے چار گواہ نہیں ہیں یا ان کی گواہی قابل قبول نہیں ہے تو باقی تمام افراد کو عدالت فی الفور قذف کی سزا دے گی اور اس کے لیے کسی استغاثہ، دعویٰ، مقدمہ اور ثبوت کی ضرورت نہیں ہے۔

اسلامی قوانین کی رو سے جب تک پہلے سے چار گواہ موجود نہ ہوں کوئی بھی شخص اگر کسی پر حد زنا کا الزام لگاتا ہے تو اسے جھوٹا سمجھا جائے گا اور اس کی یہ دلیل قابل قبول نہیں ہوگی کہ اس نے نیک نیتی یا اپنے صحیح علم کی بناء پر الزام عائد کیا ہے یا وہ خود چشم دید گواہ ہے۔ کیونکہ ھلال بن امیہ نے اپنی بیوی کو شریک بن سحماء کے ساتھ چشم خود ملوث دیکھا اور جا کر رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی تو آپ نے فرمایا:

چار گواہ لاؤ جو تمہاری سچائی پر گواہی دیں ورنہ تمہاری پیٹھ پر درے مارے جائیں گے۔

اور ھلال بن امیہ آیت لعان کے نزول کے ذریعے حد قذف سے بچ سکے ورنہ ان پر حد قذف جاری ہو جاتی۔

اسی بناء پر صحابہ کرام زنا کے الزام میں چار سے کم گواہ رہ جانے پر گواہوں پر حد قذف جاری کر دیتے تھے۔ اس کے لیے مقذوف کے استغاثے یا دعوے اور ثبوت کی ضرورت نہیں تھی۔ مغیرہ بن شعبہ کا واقعہ اوپر ہم تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔ جس میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے مغیرہ بن شعبہ کے استغاثے اور مطالبے کے بغیر ان تین افراد پر حد قذف جاری کر دی تھی جنہوں نے ان کے خلاف جرم زنا میں ملوث ہونے کی چشم دید گواہی دی تھی۔

نیز قرآن حکیم کی آیت:

والذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانین جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة ابدا اولئک هم الفاسقون۔(۷)

''جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں، پھر چار گواہ نہیں لاتے تو انہیں اسّی کوڑے مارو اور کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو۔ یہ لوگ فاسق ہیں''۔

کے حکم میں یہ نہیں کہا کہ مقذوف کو یہ حق ہے کہ وہ انہیں اسّی کوڑے لگوانے کا مطالبہ کرے۔ بلکہ اسلامی معاشرے اور ریاست کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ خود بطور مستغیث ان کو اسّی کوڑے لگوائے۔

اس فرق کو جاننے کے لیے اگر ان آیات کا قرآن کے حکم قصاص کے الفاظ سے موازنہ کیا جائے تو بات واضح ہو جاتی ہے۔ قصاص کے حکم میں ہے:

ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیه سلطانا .(۴۳)

''جو کوئی مظلوم مارا جائے تو اس کے ولی کو ہم نے اختیار دیا ہے''

یعنی قتل کی صورت میں ولی مستغیث ہوگا، جبکہ قذف کی صورت میں مقذوف نہیں بلکہ ریاست مستغیث ہوگی۔

لہٰذا یہ دفعہ قرآن اور سنت کے خلاف ہے۔ اسے نہ صرف حذف کر دیا جائے بلکہ اس طرح تبدیل کر دیا جائے کہ عدالت میں قذف کی صورت میں ریاست خود مستغیث ہو اور عدالت بلا توقف حد قذف جاری کرے۔

حاصل بحث

۱۔ درحقیقت اسلامی نظام قانون میں ہر حکم کی کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے۔ فقہاء نے حد قذف کی حکمت یہ بتائی ہے کہ قذف کی وجہ سے مقذوف کو ایذا ہوتی ہے۔ اس کی شہرت داغدار ہوتی ہے۔ اس کے جذبات مجروح ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ لیکن کسی فقیہ نے یہ نہیں کہا کہ اگر کسی تہمت لگانے والے کی نیت نیک ہو تو اس کی لگائی ہوئی تہمت قذف نہیں ہے۔ اسلامی فقہ کے طلبا اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ احکام کا دارومدار علل پر ہوتا ہے حکم پر نہیں۔ لہٰذا مذکورہ بالا دفعہ میں ''اسے ضرر پہنچانے کی نیت سے یا یہ جانتے ہوئے یا یہ باور کرنے کی وجہ رکھتے ہوئے کہ ایسا اقدام مذکورہ شخص کی شہرت کو نقصان پہنچائے گا یا اس کے جذبات کو مجروح کرے گا'' کے الفاظ کتاب و سنت کے خلاف ہیں، انہیں حذف کر دیا جائے۔

۲۔ قذف میں خواہ خالص بندے کی حق تلفی ہو یا اللہ اور بندے دونوں کے حقوق کی پامالی ہو، جب یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ قذف بندے کا حق بھی ہے تو اس سے غیر مسلموں کا استثناء درست نہیں۔

۳۔ دفعہ ۳ اور ۸ کی رو سے ایک بے گناہ شخص کو جھوٹے الزام سے بری ہونے کے بعد ایک دوسری طویل عدالتی کاروائی کی بھینٹ چڑھا کر اسلام کے دامن عدل کو داغدار کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ وہ مستغیث کے طور پر نئے سرے سے طویل عدالتی چکروں میں پڑ کر اپنی زندگی کو مسائل، مصائب اور رسوائیوں کا آماجگاہ بنالے۔ کتاب و سنت کی رو سے اگر زنا کا الزام عائد کرنے والا اور زنا کا ثبوت پیش کرنے والے گواہ عدالت میں زنا ثابت نہ کر سکیں تو انہیں فوری طور پر ملزم کے استغاثے کے بغیر حد قذف لگا دی

جائے۔ ہماری رائے میں لوگوں کی عزت وناموس کے تحفظ کے لئے بالخصوص پاکستان کے معروضی حالات میں جہاں چار گواہ فراہم کرنا کوئی دشوار کام نہیں، امام مالک اور امام شافعی کی رائے پر عمل کرتے ہوئے، جب یہ ثابت ہو جائے کہ گواہ نا قابل اعتبار ہیں تو ان پر حد قذف جاری کر دی جائے تا کہ لوگ بے گناہ افراد کی عزتوں پر دھبہ لگانے سے باز رہیں۔

۳۔ قذف میں گواہی کی قبولیت کے لیے دین، عقیدے یا جنس کی قید لگانا کتاب وسنت کے مطابق درست نہیں ہے، بلکہ اس کا دارومدار عدالت کے اعتماد اور عدم اعتماد پر ہے، اس لیے دفعہ کو حذف کر کے یہ امر عدالت پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ کس کی گواہی قبول کرتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حد قذف آرڈیننس کی دفعہ ا تا ۸، تمام دفعات کتاب اللہ اور سنت کے خلاف ہیں، اس لیے ان کو تبدیل کر دیا جائے۔ (کتاب حدود آرڈیننس سے ماخوذ)

حواشی وتعلیقات

۱۔ ملاحظہ ہو، سورۃ النساء ۴:۳۴، سورۃ النور ۲۴:۴
۲۔ وھبہ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ ص ۵۳۱۰
۳۔ ایضاً
۴۔ ایضاً
۵۔ حدود آرڈیننس، حد قذف
۶۔ عبدالقادر عودہ، التشریع الجنائی الاسلامی ۲: ۴۵۵، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷: ۵۳۹
۷۔ القرآن، النور ۲۴:۴
۸۔ ایضاً ۲۴:۱۹
۹۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر ۱۰
۱۰۔ ابن ماجہ، حدیث نمبر ۲۵۴۴
۱۱۔ ابوداؤد، حدیث نمبر ۴۳۷۷
۱۲۔ بخاری، حدیث نمبر ۲۶۷۱، ابوداؤد ۲۲۵۴۔۲۲۵۶
۱۳۔ القرآن، النور ۲۴:۴
۱۴۔ وھبہ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۶: ۲۶۵
۱۵۔ القرآن، البقرۃ ۲: ۲۸۲
۱۶۔ ایضاً، الطلاق ۶۵:۲
۱۷۔ ایضاً، المائدہ ۵: ۱۰۶
۱۸۔ ایضاً، آل عمران ۳: ۷۵
۱۹۔ ایضاً، النساء ۴: ۱۳۵
۲۰۔ ایضاً، المائدہ ۵: ۸
۲۱۔ ایضاً، الحجرات ۴۹: ۶
۲۲۔ ابن القیم، الطرق الحکمیہ، ۱۵۶۔۱۵۷
۲۳۔ F.S.C P.L.D 1989.128
۲۴۔ القرآن، الاسراء ۱۷:۳۳

قانون اسلامی کی خصوصیت اور ابدیت

ڈاکٹر تاج محمد
وائٹ ہاؤس گرامر اسکول، گلشن اقبال، کراچی

قانون اُن ضابطوں اور اصولوں کو کہا جاتا ہے جن کے ذریعے معاشرے کے افراد کو نظم وضبط قائم کرنے اور با اصول زندگی گزارنے کا پابند کیا جاتا ہے تا کہ انسان اپنی زندگی کو اُن قوانین کے سانچے میں ڈھال کر دین و دنیا میں سرخرو ہو سکے، ان میں کچھ قوانین الہامی ہدایات کی روشنی میں وضع کیے جاتے ہیں اور کچھ لوگوں کے معاشرتی رسم ورواج کے زیر اثر بنتے اور ختم ہوتے ہیں۔ اسلامی قوانین کا استنباط قرآن وحدیث کی روشنی میں کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ کی تعلیمات کامل اور مکمل ہیں ان میں ہر دور کی ضرورتوں کو پورا کرنے اور قانون سازی کرنے کی صلاحیت موجود ہے قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ قانون نہیں ہیں بلکہ مصادر قانون ہیں ان کی حیثیت اسلامی قانون یا شریعت کے لئے دستور اور اساسی اصول کی ہے کہ ان کی تعلیمات کے دائرے میں رہتے ہوئے بدلتے حالات یا زمانے میں معاشرتی ضرورتوں کے پیش نظر قانون سازی کرتے ہوئے مجاز اتھارٹی لوگوں کے مسائل شریعت کی روشنی میں حل کرے۔ معاشرہ خود اپنی ضرورتوں کے مطابق قانون تشکیل کرتا ہے۔ اس حیثیت سے جو خوبیاں اور خصوصیات اسلامی قانون میں ہیں وہ کسی اور قانون میں نہیں کیونکہ ان قوانین کیلئے رہنمائی ہمیں قرآن کریم سے ملتی ہے جو اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ اس بات کو بہتر جانتا ہے کہ کس دور میں انسان کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے، اس کا بیّن ثبوت یہ ہے کہ بے شمار مسائل ایسے تھے جو صدر اوّل میں نہیں تھے لیکن جب وہ مسائل سامنے آئے تو اُن کا حل پہلے سے قرآن وسنت میں موجود تھا، اس طرح پہلے بھی ہوا اور آئندہ بھی ایسا ہی ہوتا ہی رہے گا۔ اصل میں انسان کی عملی زندگی میں شریعت الٰہیہ

ایک ماہر طبیب کی طرح ہے جو نبض کی حرکت مریض کی حرارت و برودت، مرض اور مزاج کی کیفیت و نوعیت دیکھ کر دوا اور غذا تجویز کرتا ہے تاکہ دواؤں اور غذاؤں کے ذریعہ طبیعت میں اعتدال و توازن پیدا کیا جا سکے۔ جیسا کہ علامہ شاطبی تحریر کرتے ہیں کہ:۔

فعل الطبيب الرفيق يحمل المريض على ما فيه صلاحه بحسب حاله وعادته وقوة مرضه وضعفه، حتى اذا استقلت صحته هيئا له طريقا فى التدبير وسطا لائقا له فى جميع احواله۔(۱)

ترجمہ:۔شریعت الٰہی کا کردار ایک ایسے ماہر و شفیق طبیب کی طرح ہے جو مریض کی حالت و عادات، مرض کی قوت اور ضعف کے تقاضوں کے مطابق مریض کو مرض کی اصلاح کے لیے آمادہ کرتا ہے۔ یہاں تک کہ جب مریض کی صحت مستقل (تندرست) ہو جاتی ہے تو اس کے لیے ایک ایسا معتدل لائحہ عمل تجویز کرتا ہے جو اس کی عام حالتوں کے مطابق اور مناسب ہوتا ہے۔

اسلام میں قانون کے دین کا جزء ہونے اور تمام اجزائے اسلام کا باہمی ربط اور نسق کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اسلامی قانون نہ صرف آفاقی الہامی اقدار پر مشتمل دینی تقدس و احترام کا حامل ہے بلکہ یہ اسلام کے تمام تہذیبی و روحانی مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ اور دین فطرت کے جملہ خصائص اور اوصاف کا جامع بھی ہے۔ جس میں بے شمار خصوصیات ہیں، ان میں سے چند خصوصیات یہ ہیں:

اسلامی قانون کا سرچشمہ وحی الٰہی

اسلامی قانون کا سرچشمہ اور منبع ذات باری تعالٰی ہے اس لیے وحی خواہ متلو ہو یا غیر متلو احکام شریعت کا اساسی مصدر، تنظیم زیست کے جملہ وسائل و اقدار کا اولین ماخذ اور تمام اعمال و اشیاء کی مشروعیت کا معیار ہے۔ اس طرح انفرادی اور اجتماعی زندگی کے جملہ مظاہر و آثار اور تمام عمرانی، سیاسی، قانونی اور انتظامی احوال کی مشروعیت پر ایک مقدس دینی اور روحانی رنگ چھا جاتا ہے۔ جو ایمانی تقاضوں کی تکمیل، احکام الٰہیہ کے نفاذ اور مصالح اجتماعیہ کی تحصیل کی فکری و عملی جدوجہد میں وحدت کا ضامن ہے۔

قرآن و حدیث کے الہامی سرچشمہ ہونے کے باعث اسلامی قانون ایک طرف تو تمام مبادی مقاصد و احکام کے لحاظ سے زمانی و مکانی قیود سے ماوراء ایک عالمگیر اور دائمی قانون ہے، جس نے پوری انسانیت کو مخاطب کیا اور اس کی حجیت تا قیامت رہے گی، تو دوسری طرف یہ ایک ایسا جامع مکمل اور ہمہ

گیر ضابطہ حیات ہے جو زندگی کے انفرادی و اجتماعی شعبوں اور دنیوی و اخروی زاویوں کو یکساں محیط ہے۔ اور بقول ڈاکٹر عمر سلیمان کے:

من الادلة على سعة الشريعة عنايتها باصلاح روح العبد وعقله وفكره وقوله وعمله، وعنايتها بالفرد والاسره والمجتمع، وقد وضعت نظامها اجتماعيا وسياسيا واقتصاديا، وشرعت قيام الدولة الاسلامية وحددت معالمها، ورسمت العلاقة بين الحاكم والمحكوم، وعلاقة الامة الاسلامية بغيرها فى حالتى السلم والحرب واذ كانت الشرائع الوضعية تزعم انها تعنى بحياة الانسان الدنيوية، فان الشريعة الاسلامية وحدها التى تصل الدنيا بالآخرة، وترسم طريق السعادة الابدية، وتصل الانسان بخالقه ومعبوده، ولا يمكن ان تطلع الشرائع الارضية الى هذا الافق السامى فهى محكومة بعالم الدنيا، والعالم الذى حصرت نفسها فيه لا تستطيع ان تصلحه۔(۲)

ترجمہ:۔اللہ نے جو شریعت عطا فرمائی ہے اس کے اندر بڑی وسعت پائی جاتی ہے، اس میں انسان کے عقل و فکر، روح اور قول و فعل کی اصلاح کی رعایت کی گئی ہے۔ یہ شریعت انسان کی فردی خاندانی زندگی سے لے کر اجتماعی زندگی تک کی رعایت کرتی ہے۔ اسلام نے ایک خاص اجتماعی، سیاسی اور اقتصادی نظام تشکیل دیا اور اس میں اسلامی ریاست کے قیام، اس کے مصالح اور حاکم و محکوم کے درمیان تعلق کی مناسبت پیدا کردی ہے، خواہ حالات جنگ ہو یا امن، قانون وضعی انسان کو دین سے الگ کر دیتا ہے لیکن شریعت اسلامی انسان کی دنیا و آخرت سنوارنے کا ایک دائمی قانون ہے، اس میں سعادت ابدی و سرمدی ہے۔ اور یہی راستہ انسان کو اپنے خالق و معبود تک پہنچاتا ہے، جب کہ ایسی کوئی خصوصیت اہل زمین کے بنائے ہوئے کسی بھی قانون میں نہیں ہے، کیونکہ انہوں نے دنیا کے دائرے میں اپنے نفس کو محصور کرلیا ہے اور جہاں حصر ہو وہاں وسعت نہیں ہوتی۔

اسلامی قانون انسانی فطرت کے عین مطابق

اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو ایک خاص فطرت پر پیدا فرمایا ہے جو انکی ذات میں ودیعت فرمادی گئی ہے۔ یعنی قوائے عقلیہ، شہویہ اور غضبیہ وغیرہ۔ قرآن مجید میں فطرت انسانی کے جذبات واحساسات کو اس طرح بیان فرمایا ہے کہ ﴿الم تکونن﴾ (۳) یعنی احساس عبدیت ﴿بل الانسان علی نفسہ بصیرۃ﴾ (۴) یعنی نفس بصیرت، ﴿فالھمھا فجورھا وتقوٰھا﴾ (۵) یعنی فجور وتقویٰ میں امتیاز کرنے کا مادہ۔

اس کے علاوہ انسان میں ہر قسم کی مادی اور روحانی کمالات کے حصول کی استعداد بھی موجود ہے۔ قرآن کریم میں ایک جگہ فطرت انسانی کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:

فاقم وجھک للدین حنیفا، فطرت اللّٰہ التی فطر الناس علیھا۔ (۶)

ترجمہ:۔ اپنے آپ کو دین حنیف (فطرت) سے وابستہ کرلو۔ یہ فطرت اللہ کی ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

ما من مولود الا یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ۔ (۷)

ترجمہ:۔ ہر نومولود دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل وادراک بخش کر اشرف المخلوقات بنایا اور اسکی فطرت میں یہ خاصیت رکھ دی کہ اپنے خالق کو پہچانے اور اس کی عبادت کی طرف مائل ہو، نیز اس کو ارتفاقات ضروریہ کا علم جبلی طور پر عطا فرمایا جس پر اس کی زندگی بسر کرنے کا نظام قائم ہے۔ (۸) ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ اسی کا نام فطرت ہے جس پر انسان پیدا ہوا ہے۔ اور اس کے مطابق انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام شعبوں کی صورت گری ہی بقاء وارتقاء حیات کی ضامن ہے۔ چنانچہ تمدن کے دیگر تمام شعبوں کی طرح قانونی نظام کی درستی، افادیت اور بقاء کا انحصار بھی

مقتضیات فطرت سے مطابقت پذیری پر ہے۔ اور جس طرح یہ امر مبنی بر حقیقت ہے کہ انسان کو قانون شریعت کا مکلف بنایا اور اپنے اعمال کا ذمہ دار ٹھہرایا اور یہ اس کی فطرت اور صورت نوعیہ کا تقاضا ہے۔ (۹)

اس سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ اسلامی قانون اپنے مقاصد ومصادر اور تمام کلی اور جزئی احکام میں فطرت انسانی سے ہم آہنگ ہے۔ کسی چیز کی حلت وحرمت، اباحت وندب کے متعلق کوئی اساسی حکم ایسا نہیں جو انسانی فطرت سے متصادم ہو یا کسی ایجابی وسلبی قاعدے کی بنیاد فطرت انسانی پر استوار نہ ہوتی ہو۔ اسلامی قانون میں کسی شے کی حلت وحرمت اور اباحت نیز اعمال کے حسن وقبح کا پیمانہ ومعیار فطرت انسانی ہے۔ مثلاً سڑا گلا مردار کا گوشت کھانے کے لئے فطرت انسانی کسی صورت میں تیار نہیں۔ طبیعت کو دیکھنا تک بھی گوارا نہیں۔ چنانچہ اس فطرتی معیار کی وجہ سے مردار کا گوشت کھانے کی حرمت آئی ہے۔ اسی طرح تمام قوانین شرعیہ پر غور وفکر کرنے کے بعد یہی معیار سامنے آتا ہے۔ چنانچہ تشریعی احکام کے اصول میں دنیا کے ساری قوموں کی نفسیات اور طبعی میلان کی رعایت کی گئی ہے۔ (۱۰)

تمام انسانوں کے حالات ایک جیسے نہیں ہوتے اور یہ ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں لہذا بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ ان کی رہنمائی کرنا یہ صرف قانون فطرت کی ہی خوبی ہے دوسرے کسی دین وقانون میں نہیں۔ بالفاظ دیگر جہاں انسانی زندگی میں تغیر وتبدل پایا جاتا ہے وہاں اسلامی قانون اس کی رہنمائی فرماتا ہے اور حالات وواقعات کے مطابق اس میں لچک وزمی پائی جاتی ہے کیونکہ انسان مختلف مراحل سے گزرتا ہے ایک عمر بچپن کی ہوتی ہے دوسری جوانی اور تیسری بڑھاپا۔ لہذا ہر دور کا لحاظ اسلامی قانون فطرت میں کیا گیا ہے، سب کو ایک ہی لاٹھی سے نہیں ہانکا گیا۔

اسلامی قانون کی غرض وغایت

اسلامی قانون کی غرض وغایت انسانوں کی فلاح وبہبود اور ایک صالح معاشرے کی تشکیل ہے جہاں تمام انسان اسلامی قوانین پر عمل کرتے ہوئے بقائے باہمی کے اصولوں پر کاربند ہیں اور جس سے انسان کی دنیا وآخرت سنور جائے۔ مصالح انسانیت کا اہتمام کرنا اور مضرات ومفاسد سے بچانا شریعت کا بنیادی مقصد ہے۔

چنانچہ علامہ ابن قیم شریعت کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

ان الشریعۃ مبناھا واساسھا علی الحکم ومصالح العباد فی المعاش والمعاد۔ (۱۱)

ترجمہ:۔شریعت اسلامیہ کی بنیاد و اساس، اور حکمت انسانوں کی دنیا و آخرت کے مصالح پر مبنی ہے۔

الغاية التي تريد الشريعة الاسلامية تحقيقها هي اقامة العباد وعلى منهج العبودية الصادقة لله، وهذه العبودية الصادقة تؤسس نظام الحياة الانسانية على المعروفات وتطهره من المنكرات، والمعروف هو الخير الذي يناسب الفطرة التي فطر الله عباده عليها، والمنكر هو الباطل الذي يصادم فطرة الله التي فطر الناس عليها۔(۱۲)

ترجمہ:۔یہ شریعت اسلامیہ کی غایت ہے کہ اس نے انسان کو اس نہج پر تیار کیا ہے جہاں اس کی عبودیت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی صادق آتی ہے۔اور یہ حقیقت اس وقت صادق آتی ہے جب انسانی نظام حیات کی بنیاد معروفات پر قائم ہو اور منکرات سے بالکل پاک وصاف ہو اور معروفات سے مراد وہ خیر ہے جو اس فطرت کے مناسب ہو جس فطرت پر اللہ نے اپنے بندے کو پیدا کیا ہے۔اور منکر سے مراد وہ باطل ہے جو فطرت انسانی سے متصادم ہو جس پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے۔

مصالح سے متعلق علامہ شاطبی فرماتے ہیں:

المصالح المجتلبة شرعا والمفاسد المستدفعة انما تعتبر من حيث اقام الحيوة الدنيا للحياة الاخرى، لا من حيث اهواء النفوس في جلب المصالحها العادية او درء مفاسدها العادية۔(۱۳)

ترجمہ:۔شریعت میں جلب مصالح اور درء المفاسد کا اعتبار حیات دنیوی کو فلاح آخرت کی خاطر بسر کرنے کی بناء پر ہے نہ کہ خواہشات نفس کے زیر اثر عموی مصالح کے حصول اور مفاسد کے دفعیہ پر۔

اس سے یہ ثابت ہوا کہ مصالح وہ ہیں جن کی شریعت نے رعایت کی ہے وہ مصالح نہیں جو انسانی خواہشات اور ہوائے نفس کے ایجاد کردہ ہوں، بلکہ ایسے مصالح مراد ہیں جن کے مطابق زندگی گزارنے کے بعد فلاح آخرت ممکن ہو سکے، کیونکہ حقیقی فلاح تو آخرت ہی کی ہے۔

اور دنیا کا یہ تمام معاملہ اور انسان کی دوڑ دھوپ اخروی نجات اور فلاح کی خاطر ہے۔اسلامی قانون کا بنیادی مقصد، دین، نفس، نسل، عقل اور مال کی حفاظت ہے جس کے بغیر انسانی زندگی کا قیام اور سعادت اخروی کا حصول ناممکن ہے۔اسلامی شریعت کے تمام احکامات خواہ وہ عبادات سے متعلق ہوں اعمال سے ہوں یا اعتقادات سے، مصالح ضروریہ کی ایجابی وسلبی کیفیت کی حفاظت اور تقویت کے لیے وضع کیے گئے ہیں، ان مصالح ضروریہ کی حفاظت اور تقویت اور اس میں سہولت اور آسانی پیدا کرنا اور رفع الحرج اور مشقت والے امور کو حاجیات کہتے ہیں۔اور ان دونوں مراتب کی تکمیل تحسینات سے ہوتی ہے۔جو در حقیقت محاسن عادات سے آراستہ اور مروت عدل کے منافی عادات سے اجتناب کا نام ہے۔

علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:۔

والتحقيق ان الشريعة التي بعث الله بها محمدا صلى الله عليه وسلم جامعة المصالح الدنيا والآخرة وهذا الاشياء ما خالف الشريعة منها فهو باطل وما وافقها منها فهو حق۔(۱۳)

ترجمہ:۔اور تحقیق یہ ہے کہ جس شریعت کے ساتھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا ہے وہ دنیا و آخرت کے مصالح کے لیے جامع ہے اور وہ اشیاء جو شریعت کے خلاف ہوں وہ باطل ہیں اور جو شریعت کے موافق ہوں وہ حق ہیں۔

اس گفتگو سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اسلامی قانون کے مقاصد وغرض وغایت کے دو رخ ہیں ایک دینی اور دوسرا عمرانی، دینی مقاصد کا تعلق حقوق اللہ کی تکمیل، رشتہ عبودیت کے استحکام اور حیات اخروی کی فلاح سے ہے۔اور دوسرا عمرانی رخ معاشرتی تنظیم، تہذیب وتمدن کے قیام اور اس کے استحکام اور حیات دنیوی کی تعمیر واصلاح سے متعلق ہے۔استاد علال الفاسی نے شریعت اسلامیہ کا تجزیہ ان الفاظ میں کیا ہے:

والمقصد العام للشريعة الاسلامية هو امارة الارض وحفظ نظام المعاش فيها واستمرار صلاحها بصلاح المستخلفين فيها وقيامهم، بما كلفوا به من عدل واستقامة ومن صلاح في العقل وفي العمل واصلاح في الارض واستنباط لخيراتها وتدابير لمنافع الجميع۔(۱۵)

ترجمہ:۔شریعت اسلامیہ کا عمومی مقصد امارت ارضی، حفظ نظام معاشرت اور

استمراری صالحیت زیست ہے، جو اس دنیا میں کارِ خلافت کے حامل انسان کی ذمہ داری ہے۔ چنانچہ انسان پر از روئے خلافت سونپے گئے ان فرائض کی باحسن وجوہ انجام دہی لازم ہے، جو قیام عدل واستقامت، صلاح فکر وعمل، استحصار خزائن ارض اور حصول منافع عموی کی تدبیر سے متعلق ہیں۔

پابندی استطاعت کے مطابق

اسلامی قانون کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس نے انسان کو ایسا پابند نہیں کیا جس کی وہ استطاعت نہ رکھتا ہو، بلکہ انسان کے فطری ضعف اور کم ہمتی وکم مائیگی کو سامنے رکھتے ہوئے ان احکام کا پابند کیا ہے جن کو وہ سہولت کے ساتھ ادا کر سکتا ہے۔

انسانی ضعف کی طرف قرآن مجید نے اس طرح اشارہ فرمایا ہے:

یرید اللہ ان یخفف عنکم وخلق الانسان ضعیفا۔(۱۶)

ترجمہ:۔اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے (اس بوجھ کو) ہلکا کر دیا جائے (کیونکہ انسان ضعیف (کمزور) پیدا کیا گیا ہے۔

ایک اور مقام پر انسان کی کم ہمتی کی طرف یوں اشارہ کیا گیا ہے۔

ان الانسان خلق ھلوعا۔(۱۷)

ترجمہ:۔انسان کم ہمت پیدا کیا گیا ہے۔

انسان طبعی طور پر ان کاموں کی طرف جلد مائل ہو جاتا ہے جن میں آسانی، نرمی اور سہولت نظر آئے، جب کہ تنگی اور زیادہ مشقت وشدت کے کاموں سے گریز کرتا ہے۔ الا یہ کہ مشق مجاہدہ اور ریاضت سے نفس کو مشقت کا خوگر بنا دیا جائے۔ اسی لیے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

احب الدین الی اللہ الحنفیۃ السمحۃ (۱۸)

ترجمہ:۔اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ اور آسان ترین دین، دین حنیف ہے۔

اور قرآن مجید میں بھی اسی آسانی ویسر کا اعلان فرمایا گیا ہے:

یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر۔(۱۹)

ترجمہ:۔اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے اور تمہیں مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتا۔

اسی طرح ایک اور آیت میں یہ ارشاد فرمایا:

ربنا ولاتحمل علینا اصرا کما حملتہ علی الذین من قبلنا ربنا ولاتحملنا مالا طاقۃ لنا بہ۔(۲۰)

ترجمہ:۔اے ہمارے پروردگار ہم پر بھاری بوجھ نہ رکھ جیسا کہ تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر رکھا تھا، اے ہمارے رب! اور ہم پر بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں طاقت نہ ہو۔

اسی آسانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ابتدائے اسلام میں "اصول تدریج" کے تحت احکامات نازل فرمائے تاکہ ایک ساتھ مشقت میں ڈالنے سے متنفر نہ ہو جائیں۔ مثلاً جب لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب کے متعلق دریافت کیا کہ اس کی کیا حیثیت ہے؟ تو چونکہ وہ لوگ شراب کے عادی تھے اور شراب ان کے لیے بے حد محبوب شے تھی اس لیے قرآن مجید نے صرف یہ جواب دیا:

قل فیھما اثم کبیر ومنافع للناس واثمھما اکبر من نفعھما۔(۲۱)

ترجمہ:۔فرما دیجئے کہ اس (شراب) میں گناہ کبیرہ ہے اور (تھوڑا بہت) لوگوں کے لئے منافع کا سامان بھی۔ (تاہم) نفع کے مقابلے میں گناہ کا پہلو زیادہ بھاری ہے۔

اس آیت میں فوری طور پر منع نہیں فرمایا گیا بلکہ ان کے ذہنوں میں یہ بات ڈال دی کہ شراب کا استعمال گناہ کبیرہ ہے اور قلیل فائدے کی بھی نشاندہی کر دی۔ اس کے بعد دوسری آیت میں یہ حکم نازل ہوا۔

یا ایھا الذین آمنوا لاتقربوا الصلوۃ وانتم سکری حتی تعلموا ماتقولون۔(۲۲)

ترجمہ:۔اے ایمان والو نشے کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ، یہاں تک کہ جو کچھ تم کہتے ہو اس کا علم بھی تمہیں ہو۔

اس آیت میں اس بات کا پابند فرما دیا کہ نشے کی حالت میں نماز نہیں ہو سکتی، اس حکم سے لامحالہ شراب نوشی میں کمی واقع ہو گئی، اور آخر میں سورہ مائدہ کی وہ آیت نازل ہوئی جس میں جوئے اور شراب کی حرمت بیان فرمائی گئی ہے، ارشاد خداوندی ہے:

یا ایھا الذین امنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون۔(۲۳)

ترجمہ:- اے ایمان والو! شراب، جوا، پوجا کے بت اور جوئے کے تیر تری
گندگی ہیں، شیطانی عمل (کا نتیجہ) ہیں پس اس گندگی سے بچو تا کہ تم کامیاب
ہو جاؤ-

چنانچہ اس تدریج سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آتی ہے کہ شریعت نے احکام میں کس قدر رعایت رکھی ہے-

اسی طرح اگر کسی شخص کے پاس اتنا سرمایہ یا زاد راہ نہ ہو کہ وہ حج کے اخراجات برداشت کر سکے تو اسلام نے اس کو اس بات کا پابند نہیں کیا کہ وہ کسی سے قرض لے کر یا پیادہ چل کر راستے کی صعوبتوں کو برداشت کر کے حج کرے، بلکہ جب تک زاد راہ میسر نہیں تو حج کی فرضیت بھی ساقط ہے- کیونکہ اگر ایسا ہو تو پھر انسان تکلیف مالا یطاق کا شکار ہو جائے گا- ہاں اگر کوئی شخص از روئے محبت وعقیدت کے پیدل چل کر حج کی سعادت حاصل کرتا ہے تو یہ اس کا اختیاری عمل ہے- مختصر یہ کہ پوری شریعت میں ایسا کوئی حکم نہیں جو انسان کی استطاعت سے زائد ہو، جس میں انسان پر جبر کیا گیا ہو-

رفع حرج ومضرت

حرج کے معنی تنگی کے ہیں اور رفع حرج کا مطلب اس تنگی کو اٹھا لینا اور اس کی جگہ آسانی، وسعت اور کشادگی پیدا کرنا ہے- چنانچہ شریعت نے دیگر مراعات کے ساتھ ساتھ انسانوں کو اس بات کی بھی اجازت دی کہ جب بھی کسی امر میں تنگی پائی جائے تو اس کے لیے آسانی کا راستہ نکالا جائے- اس سلسلے میں قرآن مجید نے جو اصول بیان فرمایا ہے اس سے شریعت کا مزاج نکھر کر سامنے آتا ہے-

ارشاد باری تعالیٰ ہے:-

ما جعل علیکم فی الدین من حرج -(۴۴)

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ نے دین کے معاملے میں تمہارے لیے کوئی تنگی نہیں رکھی-

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج -(۴۵)

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ تمہیں کسی حرج میں ڈال دے-

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ اصول بیان فرمایا ہے:

یسرا ولا تعسرا وبشرا ولا تنفرا -(۴۶)

ترجمہ:- آسانی کرنا، مشکل میں نہ ڈالنا، اور رغبت دلانا اور نفرت نہ ابھارنا-

Seminar Library
Department of Islamic Hist.
University of Karachi

چنانچہ انہی ارشادات کی روشنی میں جو اصولی قواعد وضع کیے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:

۱- المشقۃ تجلب التیسر - ترجمہ:- یعنی مشقت آسانی لاتی ہے-

۲- الامر اذا ضاق اتسع - ترجمہ:- جب کسی جگہ کا دائرہ تنگ ہو جائے تو اس میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے-

۳- الضرورۃ تبیح المحظورات -(۴۷) ترجمہ:- ضرورت ممنوعات کو مباح کر دیتی ہے-

بنیادی اصولوں سے یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اسلامی قانون اپنے مقاصد، مبادی اور احکام کی تطبیقات اور دیگر فنون میں آسانی، رفع حرج اور ضرر و تکلیف سے دور رکھنے والے اوصاف کا حامل ہے- یہی وجہ ہے کہ اسلام نے کہیں انسان پر اضطراری کیفیت طاری کی ہے تو وہاں استثنائی و رخصتی احکامات بھی ضرور مرحمت فرمائے ہیں جو اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ بعض شرعی مجبوریوں کی بناء پر اگر اصل حکم کی پابندی دشوار ہو اور اس کے قائم مقام ایسا حکم موجود ہو جو اپنے اصل سے تعلق کو تازہ کرتا ہو اور انسان کے اندر اطاعت برقرار رکھنے کا ذریعہ بھی باقی ہو- تو اس سہل حکم پر عمل کرنے کی اجازت ہے-

مسواک کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لولا ان اشق علی امتی لامرتہم بالسواک عند کل
صلوۃ -(۴۸)

ترجمہ:- اگر مجھے اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ میری امت مشقت میں پڑ جائے
گی تو میں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا-

اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ اسلام معمولی سی تکلیف میں ڈالنا نہیں چاہتا-

ڈاکٹر عمر سلیمان لکھتے ہیں:

اما الشریعۃ الاسلامیۃ فقد نزلت من عند اللہ تسع حیاۃ الانسان عن کل اطرافھا وحیاۃ المجتمع الانسانی لکل ابعادھا فلاتضیق بالحیاۃ ولاتضیق الحیاۃ بھا -(۴۹)

ترجمہ:- شریعت اسلامیہ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ قانون ہے اس میں تمام اطراف سے انسان کے لئے وسعت پیدا فرما دی گئی ہے اور حیاۃ انسانی خواہ اجتماعی ہو یا انفرادی، نہ تو شریعت حیات میں تنگی پیدا کرتی ہے اور نہ ہی حیات

انسانی اس اسے کسی تنگی میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

تقلیل تکلیف:

یہ عدم حرج کا لازمی نتیجہ ہے کیونکہ زیادہ تکلیف میں زیادہ حرج اور مشقت ہے جیسا کہ اس سے قبل یہ بیان کیا گیا ہے کہ انسان طبعی طور پر سہل پسند ہے اور اس کی رغبت انہیں امور کی طرف زیادہ ہوتی ہے جن میں زیادہ سے زیادہ سہولت ہو، اور تکلیف کم سے کم ہو۔ چنانچہ اسلام نے اس فطری میلان کی رعایت کرتے ہوئے استطاعت و تکلیف کا اصول وضع کیا اور استطاعت سے بالاتر اور زیادہ مشقت والے امور کا پابند نہیں کیا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا۔ (۳۰)

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی استطاعت سے زیادہ کا مکلف نہیں فرماتا۔

گویا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بالکل واضح اعلان فرمایا کہ انسان کو تکلیف مالا یطاق کا پابند نہیں بنایا، یہ شریعت کا ایک عمومی اصول ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہوا:۔

ومن قدر علیہ رزقہ فلینفق مما اتاہ اللہ لا یکلف اللہ نفسا الا ما اتاھا۔ (۳۱)

ترجمہ:۔ جس کا رزق تنگ ہو وہ اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے اپنے اہل وعیال پر حسب استطاعت ہی خرچ کرے۔ اللہ تعالیٰ توفیق سے زیادہ کا پابند نہیں کرتا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک فرد کی استطاعت کے مطابق اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے کا حکم دیا ہے اور اس چیز کا پابند نہیں فرمایا جو انکے پاس نہیں۔ اسی طرح حج کی فرضیت کو بھی استطاعت سے مشروط کر دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا۔ (۳۲)

ترجمہ:۔ ان لوگوں پر اللہ کے لیے حج فرض ہے جو اس کی استطاعت رکھتے ہوں۔

اسی طرح جہاد کے سلسلے میں فرمایا:

لیس علی الضعفاء ولا علی المرضی ولا علی الذین لا یجدون ما ینفقون حرج اذا نصحوا للہ ورسولہ۔ (۳۳)

ترجمہ:۔ ضعیف، مریض اور مالی استطاعت نہ رکھنے والوں پر جہاد کے سلسلے میں کوئی تنگی نہیں بشرطیکہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور اخلاص رکھتے ہیں۔

حرام چیزوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے انسانی استطاعت سے وابستہ فرمایا ہے:

قد فصل لکم ما حرم علیکم الا ما اضطررتم الیہ۔ (۳۴)

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے محرمات کی تفصیل بیان فرما دی ہے لیکن اگر تم اضطراری حالت سے گزر رہے ہو تو پھر تم پر کوئی مواخذہ نہیں۔

اسی طرح خطا و نسیان جن پر انسان کی قدرت نہیں انہیں قابل معافی قرار دیا ہے۔

لیس علیکم جناح فیما اخطأتم بہ۔ (۳۵)

ترجمہ:۔ خطا (نسیان) کی صورت میں تم پر کوئی مواخذہ نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

فاذا امرتکم بشیئ فخذوا منہ ما استطعتم واذا نھیتکم من شیئ فانتھوا۔ (۳۶)

ترجمہ:۔ اگر میں تمہیں کسی چیز سے منع کروں تو اس سے باز رہا کرو اور جس کام کا حکم دوں تو اسے حسب استطاعت بجالایا کرو۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:۔

فاکلفوا من الاعمال ما تطیقون۔ (۳۷)

ترجمہ:۔ طاقت و استطاعت کے موجب اعمال کا مکلف کیا ہے۔

انہیں نصوص کو سامنے رکھتے ہوئے علامہ شاطبی لکھتے ہیں:

ثبت فی الاصول ان شرط التکلیف او سببہ القدرۃ علی المکلف بہ، فیما لا قدرۃ للمکلف علیہ لا یصح التکلیف بہ شرعا وان جاز عقلا۔ (۳۸)

ترجمہ:۔ یہ بات اصول میں ثابت شدہ ہے کہ انسان کو مکلف بنانے کا سبب یا شرط اس کا فعل مامور بہ کی ادائیگی پر قادر ہونا ہے۔ جس عمل میں بندہ قدرت نہ رکھتا ہو شرعاً اس کا مکلف نہیں اگرچہ عقلاً جائز ہے۔

علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

قید الشارع الامور بالقدرة والاستطاعة والوسع والطاقة۔(۳۹)

ترجمہ:۔شارع نے تمام امور وافعال کو انسان کی قدرت واستطاعت سے وابستہ کر دیا ہے۔

تمام انسانوں کی اندرونی کیفیت، اخلاقی استعداد اور نفسیاتی قوتیں یکساں نہیں ہوتیں بلکہ جملہ نفوسِ انسانیہ کی جسمانی اور ایمانی استعداد ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔لہذا ان میں کمزور وضعیف بھی ہیں اور قوی وبلند ہمت بھی، کسی کی طبیعت میں شدت ہے کہیں نرمی، کہیں پختہ ارادہ اور کہیں احتیاط۔اس لیے شریعت نے ایک ہی نوعیت اور ایک ہی مراتب کے احکام کا پابند نہیں کیا بلکہ ہر ایک کے دو علیحدہ علیحدہ راستے وضع کر دیے۔

علامہ شعرانی لکھتے ہیں:

ان الشریعة المطهرة جاءت من حیث شهود الامر والنهی فی کل مسالة ذات اخلاق علی مرتبتین، تخفیف وتشدید، لا علی مرتبة واحدة، فان جمیع المکلفین لایخرجون عن قسمین، قوی وضعیف، من حیث ایمانه اوجسمه فی کل عصر وزمان فمن قوی منهم خوطب بالتشدید والاخذ بالعزائم ومن ضعف منهم خوطب بالتخفیف والاخذ بالرخص وکل منهما حینئذ علی شریعة من ربه وتبیان۔(۴۰)

ترجمہ:۔شریعت مطہرہ اختلافی نوعیت کے ہر مسئلے میں امر ونہی کے اعتبار سے تخفیف وتشدید کے دو مرتبوں پر نازل ہوئی کیونکہ ہر زمانے کے انسان ایمانی اور جسمانی اعتبار سے قوی وضعیف کے دو طبقوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔اہل قوت وباہمت شریعت کے مرتبہ تشدید وعزیمت کے مکلف ہیں اور کمزور پست ہمت مرتبہ تخفیف ورخصت کے مخاطب ہیں اور ان دو مراتب کے احکام کے پیرو بہر صورت شریعت الٰہیہ کے پابند ہوتے ہیں۔

یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ فقہاء نے نہ ہر مشقت کو زیر بحث مشقت میں شمار کیا ہے اور نہ تخفیف وسہولت کو اس قدر عام کیا ہے کہ انسان جب چاہے اس میں آسانی کی راہیں نکال لے۔بلکہ ہر ایک کے لیے فقہ میں اصول وقیود مقرر ہیں اور ہر ایک چیز کا تعین کر دیا گیا ہے اور حکمت الٰہیہ کا بھی یہی

تقاضا ہے کہ اس معاملے میں انسان کو آزاد نہ چھوڑا جائے ورنہ دین سہل پسندی اور مرضی کا نام بن جائے۔ شریعت کا مقصد یہ ہے کہ انسانوں کی زندگی صاف ستھری گزرے ان میں خیالات وجذبات پر قابو پانے کی صلاحیت ہو اور ذاتی اغراض وعناد اور نفسانی خواہشات کو دبانے کی ہمت وطاقت پیدا ہو۔(۴۱)

اگر مطلق مشقت لی جائے تو کھانا پینا سونا جاگنا، چلنا پھرنا تمام کا تمام مشقت ہے اس سے نظام حیات جمود کا شکار ہو جائے گا۔علامہ شاطبی لکھتے ہیں:

فاحوال الناس کلها کافة فی هذه الدار فی اکله وشربه وسائر التصرفات ولکن جعل له قدرة علیها بحیث تکون تلک التصرفات تحت قهره لا ان یکون هو قهرا التصرفات۔(۴۲)

ترجمہ:۔اس دنیا میں انسان کی تمام حالتیں مشقت سے عبارت ہیں حتیٰ کہ کھانا پینا اور دیگر تمام کام مشقت سے خالی نہیں۔مگر اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسی قوت وطاقت عطا کی ہے کہ وہ ان مشقتوں پر حاوی ہیں نہ یہ کہ مشقتیں انسان پر حاوی ہیں۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ وہ کون سی مشقتیں ہیں جن میں انسان کو مبتلا نہیں کیا گیا، علامہ شاطبی ہی فرماتے ہیں کہ:

ان کان العمل یودی الدوام علیه الی الانقطاع عنه او عن بعضه والی وقوع خلل فی صاحبه فی نفسه او ماله او حال من احوال فالمشقة هنا خارجة عن المعتاد وان لم یکن فیها شیئ من ذالک فی الغالب فلا یعده فی العادة مشقة۔(۴۳)

ترجمہ:۔اس کام کی نوعیت ایسی ہو کہ اس پر دائمی عمل سے جانی ومالی نقصان ہوتا ہو یا اسے کرنے والے کی حالت میں تغیر واقع ہوتا ہو، جس سے لازمی طور پر کام چھوڑنے یا اس میں تخفیف کرنے پر مجبور ہو جائے۔تو اس قسم کی مشقت عادت والی مشقت سے خارج سمجھی جائے گی اور جو ایسی نہ ہو تو وہ عادت سے خارج نہیں کی جائے گی۔

اسلامی قانون کی ابدیت:

اسلامی قانون دین فطرت ہے اور قرآن وحدیث اس قانون کے منبع ہونے کے ناطے اپنے

مصادر، مقاصد اور اساسی احکام میں زمان ومکان کی حدود وقیود سے ماوراء ایک آفاقی، دائمی اور آخری قانون ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبوت کا سلسلہ جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع کیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر لاکر ختم کردیا۔

ومقتضى هذا العموم ان تكون هذه الشريعة هي خاتمة الشرائع، فهي ناسخة لما قبلها، ولاتنسخ بشريعة بعدها، اذ ليس بعد كتابها كتاب، ولا بعد نبيها نبي، فقد كمل الدين بالاسلام، وتم البناء برسالة محمد صلى الله عليه وسلم وصدق الله العظيم۔(۴۴)

ترجمہ: لہٰذا یہ حکمت الٰہی کا تقاضا ہے کہ اس شریعت کو خاتم الشرائع قرار دیا جائے اور یہ ماقبل شرائع کی ناسخ ہوجائے جب کہ اس شریعت کو منسوخ کرنے والی کوئی اور شریعت نہیں۔ قرآن پاک کے بعد کوئی کتاب ہدایت ہے اور نہ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی ہے۔ دین کو اسلام پر ختم کردیا اور رسالت کو رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اختتام پذیر کردیا۔

اور ایک دائمی قانون عطا کرنے کے بعد فرمایا:

اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الاسلام دينا۔(۴۵)

ترجمہ: آج کے دن ہم نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کردیا، اور نعمتیں تمام کردیں اور دین اسلام کو تمہارے لئے بحیثیت دین پسند فرمایا۔

جب کوئی نیا دین نہیں تو لامحالہ یہی دین قیامت تک رہے گا۔ اور شان خاتمیت کے بارے میں ارشاد فرمایا:۔

ما كان محمد ابا احد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين۔(۴۶)

ترجمہ: نہیں ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم مردوں میں سے کسی کے باپ، اور لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور وہ خاتم النبیین ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت شریعت اسلامیہ کے دائمی ہونے کی واضح دلیل ہے۔

اور رسالت عامہ کے سلسلے میں علامہ ابن قیم لکھتے ہیں کہ:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم هو عام الرسالة الى كل مكلف، فرسالته عامة في كل شيء من الدين اصوله وفروعه ودقيقه وجليله، فكما لايخرج احد عن رسالته فكذلك لايخرج حكم تحتاج اليه الامة عنها وعن بيانه۔(۴۷)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت دائمی اور عالمگیر ہے جس کے دائرے سے کوئی انسان خارج نہیں اور چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت، عقائد اور اعمال سے متعلق ہر دقیق وجلیل چیز کو شامل ہے اس لیے جس طرح رہتی دنیا تک انسانیت کا ہر فرد احکام شرعیہ کا مخاطب ہے اسی طرح ہر دور میں امت کی ضرورت کے تمام احکامات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں موجود ہیں۔

عبدالقادر عودہ اسلامی قانون کی ہمہ گیریت اور آفاقیت سے متعلق لکھتے ہیں:

الاصل في الشريعة الاسلامية، انها شريعة عالمية لا مكانية، فهي شريعة الكافة، لايختص بها قوم دون قوم ولا جنس دون جنس ولا قارة دون قارة، فهي شريعة العالم كله مخاطب بها المسلم وغير المسلم۔(۴۸)

ترجمہ: اصل یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ ایک عالمی شریعت ہے یہ کسی ایک جگہ کے ساتھ خاص نہیں۔ بلکہ تمام انسانوں کے لیے شریعت ہے۔ یہ کسی خاص قوم، جنس یا کسی جغرافیائی خطے تک محدود نہیں، یہ کل انسانی دنیا خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم سب اس کے مخاطب اور مکلف ہیں۔

یعنی شریعت اسلامیہ جہاں مکانی اعتبار سے لامحدود ہے وہاں زمانی اعتبار سے بھی ہر قسم کی حد بندیوں سے آزاد ہے، بلکہ یہ ایک دائمی قانون ہے جس کے اصول وضوابط ہر زمانے اور ہر علاقے کے رہنے والوں کی دینی، سیاسی، سماجی، معاشی، انفرادی اور اجتماعی زندگی کی ضرورتوں میں رہنمائی فراہم کرنے کا حامل ہے، مزید یہ کہ اسلامی قانون لچکدار اور متحرک خصوصیات کا سب سے بڑا مظہر ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ آج کے دور میں جہاں زندگی کے طور طریقے اور رنگ ڈھنگ یکسر بدل

چکے ہیں، اسلامی قانون کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرتے ہوئے امت مسلمہ کو صحیح دینی رہنمائی فراہم کی جائے تاکہ شریعت مطہرہ کے فیوض و برکات سے ہر شخص مستفیض ہو سکے اور دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے سرخرو ہو سکے۔

ماخذ و مصادر

۱- شاطبی، ابراہیم بن موسیٰ: الموافقات فی اصول الاحکام، مصر مطبعہ المدنی ۱۹۶۹ء ص ۱۷۷- ج ۲-

۲- عمر سلیمان اشقر، دکتور: خصائص الشریعۃ الاسلام، کویت، دار الدعائیہ ۱۹۹۱ء ص ۵۳-

۳- القرآن: البقرہ: ۱۱۶-

۴- القرآن: القیامہ: ۱۳-

۵- القرآن: الشمس: ۸-

۶- القرآن: الروم: ۳۰

۷- بخاری، محمد بن اسماعیل، امام: الصحیح البخاری: کراچی، قدیمی کتب خانہ ۱۹۶۱ء ص ۱۸۱ ج ۱-

۸- شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ (ترجمہ) لاہور تعمیر پرنٹر- ۱۹۸۳ء ص ۷۷ ج ۲-

۹- شاہ ولی اللہ: حجۃ اللہ البالغہ: محولہ بالا ص ۱۹۱ ج ۱-

۱۰- محمد تقی امینی: فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، لاہور، شیخ الاسلامیہ سعودیہ ۱۹۶۷ء ص ۱۱۳-

۱۱- ابن قیم، محمد بن ابی بکر: اعلام الموقعین، مصر طباعۃ المنیریہ ۱۳۲۰ء ص ۱ ج ۳-

۱۲- عمر سلیمان اشقر، دکتور: خصائص الشریعۃ الاسلامیہ: محولہ بالا ص ۳۶-

۱۳- شاطبی: ابراہیم بن موسیٰ: الموافقات فی اصول الاحکام محولہ بالا ص ۲۷-

۱۴- ابن تیمیہ: فتاویٰ ابن تیمیہ: بیروت، دار العربیہ للطباعۃ بلاسن طباعت ص ۳۰۸- ج ۱۹-

۱۵- علال الفاسی: مقاصد الشریعۃ و مکارمھا، رباط، دار بیضاء ۱۹۶۳ء

۱۶- القرآن: النساء: ۲۸-

۱۷- القرآن: المعارج: ۱۹-

۱۸- بخاری، محمد بن اسماعیل: الصحیح البخاری: محولہ بالا ص ۱۰ ج ۱-

۱۹- القرآن: البقرہ: ۱۸۵-

۲۰- القرآن: البقرہ

۲۱- القرآن: البقرہ: ۲۱۹-

۲۲- القرآن: ۳۳-

۲۳- القرآن: المائدہ: ۹۰-

۲۴- القرآن: الحج: ۷۸-

۲۵- القرآن: المائدہ: ۹-

۲۶- بخاری، محمد بن اسماعیل، امام: الصحیح البخاری: کراچی، قدیمی کتب خانہ ۱۹۶۱ء ص ۱۰۶۳- ج ۲-

۲۷- سیوطی، عبد الرحمٰن بن ابی بکر: الاشباہ والنظائر، مصر مطبعہ مصطفیٰ محمد ۱۳۵۹ء ص ۲۸، ۷۶-

۲۸- ترمذی، محمد بن عیسیٰ: جامع ترمذی: ملتان، فاروقی کتب خانہ ۱۹۹۱ء- ص ۵ ج ۱-

۲۹- عمر سلیمان اشقر، دکتور: خصائص الشریعۃ الاسلامیہ، کویت، مکتبہ الفلاح- ۱۹۸۲ء ص ۵۱-

۳۰- القرآن: البقرہ: ۲۸۶-

۳۱- القرآن: الطلاق: ۷-

۳۲- القرآن: آل عمران: ۹۷-

۳۳- القرآن: التوبہ: ۹۱-

۳۴- القرآن: الانعام: ۱۴۰-

۳۵- القرآن: الاحزاب: ۵-

۳۶- ابن ماجہ، محمد بن یزید: سنن ابن ماجہ: کراچی، قدیمی کتب خانہ بلاسن طباعت ص ۲-

۳۷- مسلم بن حجاج، امام: الصحیح المسلم: کراچی، قدیمی کتب خانہ ۱۹۵۶ء ص ۳۵۲ ج ۱-

۳۸- شاطبی، ابراہیم بن موسیٰ: الموافقات فی اصول الاحکام محولہ بالا ص ۶ ج ۲-

۳۹- ابن تیمیہ: مجموع فتاوی، بیروت، دار العربیہ للطباعۃ- ۱۳۹۸ء ص ۳۹- ج ۲-

۴۰- شعرانی، عبد الوہاب: المیزان الکبریٰ، دہلی مطابع اکمل ۱۲۸۶ء- ص ۵-

۴۱- محمد تقی امینی: فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، محولہ بالا ص ۲۸۸-

۴۲- شاطبی، ابراہیم بن موسیٰ: الموافقات فی اصول الاحکام محولہ بالا ص ۸۷- ج ۲-

۴۳- شاطبی، ابراہیم بن موسیٰ: الموافقات فی اصول الاحکام، محولہ بالا ص ۸۷-

۴۴- یوسف قرضاوی: شریعۃ الاسلامیہ صالحۃ للتطبیق، مصر، دار الصحوۃ ۱۳۳۰ء ص ۱۲-

۴۵- القرآن: المائدہ: ۳-

۴۶- القرآن: الاحزاب: ۴۰-

۴۷- ابن القیم، محمد بن ابی بکر: اعلام الموقعین، محولہ بالا ص ۳۵۰-

۴۸- عودہ، عبد القادر: التشریع الجنائی مقارنا بالقانون الوضعی، مصر، دار النشر الثقافۃ ۱۹۳۵ء ص ۳۷۴-